تصدیق کے موتی

3

سید یوسف (بنگلور)

ماہنامہ 'نور ولایت' میں شایع مضامین

کا تیسرا مجموعہ

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

خاتم ولایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

ختمی مرتبت رسالت مآب ﷺ سے پہلے کے نبیوں، رسولوں کے زمانوں میں جو تذکرے ملتے ہیں ان میں اللہ کے دوستوں اور ولیوں کے تذکرے بہت کم ملتے ہیں جبکہ حضور صلعم کی اُمت میں اللہ کے دوستوں اور ولیوں کی لمبی فہرست ہے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے خود اپنے صحابہ میں سے کئی کو اللہ کے مقرب اور محبوب ہونے کی گواہی دی ہے۔ حضرت عمرؓ کے لئے کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر کوئی ہوتے تو عمرؓ ہوتے۔ حضرت اویس قرنیؒ سے اپنی اُمت کی مغفرت کی دعا کروانے حضرت علیؓ اور عمرؓ کو ملنے کہا تھا اور حضرت بلالؓ سے پوچھا تھا کہ ایسا کونسا عمل ہے جو تم کرتے ہیں جس کی وجہ سے تمہارے نعلین کی آواز میں نے معراج میں سنی تھی وغیرہ وغیرہ مگر ایسی باتیں آپ ﷺ سے اگلے زمانے کے تذکروں اور نوشتوں میں نہیں ملتی اگر ملتی بھی ہے تو گنتی کے چند نفوس ہیں جبکہ حضور صلعم کے تذکرے اور توصیف تمام آسمانی صحائف میں ملتے ہیں۔

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ولایت اُمت محمدیہ صلعم کا خاص وصف ہے اسی لئے حضور صلعم نے اس کا ذکر فرمایا کہ "میری ولایت میری نبوت سے افضل ہے" یہ ولایت محمدیہ ﷺ کی طرف اہم اشارہ ہے۔ آپ ﷺ ہی کے زمانے میں ہی اللہ کے محبوب بندوں کی ایک کثیر تعداد ہوگئی تھی۔ بعد میں تابعین، تبع تابعین ان کے بعد اولائے کبار کی ایک کثیر جماعت ہے جنہوں نے ولایت کے منصب اور مقام کو بام عروج پر پہنچایا۔ اللہ سے اپنی محبت اور بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے بڑی قربانیاں دیں مشقتیں اٹھائیں اور بندگان خدا کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی سے روشناس کروایا۔ اور جس طرح نبوت کا دروازہ بند ہوا اسی طرح ایک خاص مدت کے بعد ولایت محمدیہ ﷺ کے خاتم کے آنے اور ختم ولایت اور اس کے منصب کو واضح انداز میں بیان فرمایا۔ تمام پیغمبروں کے زمانے گذرنے کے بعد خاتم الانبیاء کی اُمت میں آپ ﷺ کی ولایت کو جاری کرنا اور عام کرنے میں مشیت خداوندی پوشیدہ تھی کہ اب وقت آگیا کہ حضرت رب العزت کی پہچان کروائی جائے جیسے اس کے پہچانے جانے کا حق حدیث قدسی میں ہے کہ "میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں"

تو کیا اس سے پہلے خدا کو نہیں پہچانا گیا ؟ پہچانا بھی گیا، دیدار بھی کیا گیا مگر عام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ وہ اس لئے کہ اس میں بڑی ذمہ داریاں اور مشقتیں اور شرائط کی پابندی ہے۔ اس بات کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ صرف اسم اعظم کو بتانے کے لئے بزرگان دین نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہ تو مسئلہ دیدار ہے یعنی حجابات بشری کے پردوں کو چاک کرنے کی بات ہے تمام خلائق جس کی متحمل نہ ہو اس مقام و مرتبہ کی بات، ہے اس میں احتیاط ہی نہیں مشقتیں بڑی ہیں۔

ولایت محمدیہ ﷺ اُمت رسول ﷺ کا خاصہ کیوں ؟ وہ اس لئے کہ اس عمل اور طریقے میں کٹھن راہیں اور ریاضتیں اور اعمال پوشیدہ ہیں جس سے کہ انسان چل کر فرشتوں جیسے اخلاق کا حاصل ہوسکتا ہے۔ فرشتے جو معصوم ہیں نافرمانی سے سفلی خصلتوں سے "اللہ کی فرمابرداری اور ذکر میں مشغول ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی سرتابی نہیں کرتے۔ نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا۔ انسان کی روحانی ترقی کی سبیل تو ہونی چاہیئے تھی جو اُسے مقام بشریت سے مقام عبدیت و بندگی کی معراج کی راہ دکھائے اس کے لئے ولایت محمدیہ ﷺ ہی مشعل راہ ہوسکتی تھی۔ اگلے زمانوں میں وقفہ وقفہ سے نبی و رسول ﷺ آتے رہے، بندگان خدا کی اصلاح ہوتی رہی، وقت زماں و مکاں کے لحاظ سے شریعتیں طے ہوتی رہیں۔ مگر ختم نبوت ﷺ کے بعد شریعت مطہرہ محمدیہ ﷺ کو جاری رہنا تھا۔ احکام خداوندی و اعمال شریعہ جیسے فرائض کی حفاظت کرنی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنی منشاء کے مطابق ولایت محمدیہ ﷺ کو جاری رکھا جس طرح نبوت کے سلسلوں کو حضرت رسالتمآب صلعم پر کامل کردیا اسی طرح ولایت محمدیہ ﷺ کو خاتم ولایت پر ختم کیا۔ ختم نبوت کی طرح ختم ولایت کا طریقہ اور تعلیم ہی اصل دین اسلام ہے۔ باقی دیگر تسکین قلب اور خودنمائی ہے تکمیل دین نہیں۔

سنئے معرفت الٰہی یا دیدار الٰہی کے معاملات میں حضرت امام غزالیؒ کیا فرماتے ہیں۔ آدمی فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ صفات کے لئے نہیں "وہ چارپایوں اور درندوں سے اشرف و کامل تر ہے اور وہی اس کا (آدمی) کا کمال ہے" صرف کھانے پینے، شادی بیاہ و دنیاداری کے لئے نہیں۔ شادی بیاہ کھانا سب کچھ آدمیت کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے ہے۔ اصل مقصد اور منزل دنیا میں بقید حیات جسمانی اس کی روحانی ترقی ہی ہے۔ بشریت کے جامے کے اندر جو روح ہے اس کی ترقی اور دنیاوی و بشری آلائش و کثافت سے پاک روحانیت اس کی منزل ہے جیسے کہ امام" فرماتے

ہیں ''آدمی کی حقیقت وہی ہے جس سے اس کا کمال ہے'' اس کی دوسری صنعتیں عارضی اور عاریۃً ہیں اور آدمیت کے کمال کے لئے پیدا کی گئی ہیں (کیمیائے سعادت)

خدا کے دوستوں اور محبوب بندوں کو جو علم حضور صلعم کی ولایت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ علم لدنی ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں ''نبوت کی راہ انبیاء و اولیاء کے علم کی نسبت جو آدمیوں کے سکھائے بغیر رب العزت کی درگاہ سے حاصل ہوتا ہے'' نبوت و ولایت کے متعلق فرماتے ہیں ''یہ راہ (نبوت کی) جس شخص پر کھلتی ہے اُسے لوگوں کی صلاحیت کی ساری باتیں بتائی ہیں اور وہ ان باتوں کی ہدایت کرتا ہے تو اس بتائے ہوئے طریقے کا نام شریعت ہے اور خود اس شخص کو پیغمبر اور اس کے خرق عادات کو معجزات کہتے ہیں اگر وہ شخص مخلوق کو ہدایت دینے میں مصروف نہ ہو تو اسے ولی کہتے ہیں اور اس کے حالات کو کرامات اور یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کا یہ حال لازماً خلق کو دعوت بھی دے اور ہدایت میں بھی مشغول ہو''

اور جو شخصیت اپنے نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہوئے اُن کی شریعت پر بے خطا عمل کرتے ہوئے ولایت محمدیہ ﷺ کی تکمیل پر معمور کی گئی ہو وہ ذات خلیفۃ اللہ معمور من اللہ کی ہے۔ آپؑ کی خرق عادت تعلیم احسان کے ذریعہ دیدار الٰہی ہے۔

آگے چل کر معرفت کے باب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سب چیزوں سے اشرف و افضل ہے اس لئے کہ سب چیزوں کو اُسی کے سبب سے شرف و عزت ہے، وہی تمام عالم کا بادشاہ ہے، تمام عالم کے عجائبات اسی کی صفات کی نشانیاں ہیں تو کوئی معرفت بھی اس کی معرفت سے زیادہ عمدہ اور مزیدار نہیں اور ''حضرت ربوبیت کے دیدار سے بہتر کوئی دیدار نہیں'' اور دل کی طبیعت اس دیدار کو چاہتی ہے اس لئے کہ ہر چیز کی طبیعت اسی خاصیت کو چاہتی ہے جس کے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے خلائق کو پیدا کیا ہے تو اُس خالق کو دیکھنے کی تمنا انسان کی خصوصیت ہے) اگر کوئی حل ایسا ہو جس سے اس کی معرفت کی خواہش زائل ہو چکی ہو تو وہ دل بیمار کی مانند ہے..... آدمی کی معرفت کا ذریعہ خدا کی معرفت بندگی اور عبادت ہے اور یہ بات کہ آدمی کی سعادت خدا کی معرفت میں ہے''

''آدمی ایسا قابل ہے کہ ایسا کمال حاصل کرے اور ملکوت کی صورت کو اپنا ایسا نقش دل بنائے کہ درگاہِ الٰہی کے قابل ہو جائے یعنی وہ باریاب ہو اور رب تعالیٰ کے نظارے میں مشغول ہو (دیدار) اور

یہی امر اس کی بہشت اور اس کی سعادت کا منتہا ہے اور خالق نے اُسے اسی لئے پیدا کیا ہے اور جب تک اس کی آنکھ نہ کھلے گی اور اس لازوال جمال کو پہچان نہ لے گا دیدار کیا کر سکے گا اور یہ پہچان معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور خدا کی صنعتوں کی پہچان حضرت الٰہی کے جمال کے معرفت کی کنجی ہے اور آدمی کے حواس ان صنعتوں کی کنجی ہے۔فرماتے ہیں" جو کام ذی شان ہوتا ہے اس کی شرطیں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں''ان شرطوں کو پورا کرنے کے لئے" باہر والے علم سے جب تک دل خالی نہ ہو جائے تب تک وہ علم جو دل کے اندر ہے نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہوگا'' کیونکہ ظاہری علم خودنمائی خودستائی غرور اور تکبر کے اسباب پیدا کرتا ہے۔معرفت کی منزل پانے کے لئے خلیفۃ اللہ تابع تام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور اعمال پر اخلاص سے چلنا ہوگا جیسے ذکر دوام ،عزلت از الخلق ،ترک دنیا ،طلب دیدار الٰہی۔انہیں ذی شان کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولایت کے خاتم کو پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا'' کہدو (اے محمد ﷺ) یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کی اساس پر (دیدار کی بنیاد پر) میں اور میرا تابع (سورہ یوسف ۱۰۸)

اُس بصیرت کی بنیاد اس کے فائدے اور نقصان کو دیکھئے سورۃ انعام کی آیات ۱۰۳ تا ۱۰۵ میں ''اس کو تو کوئی نگاہ محیط نہیں کر سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے اور بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں''

واضح الفاظ میں کہا جا رہا ہے" حق بینی'' ''حق کا دیدار'' ''حق کو جو دیکھ سکے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا'' ''جو دیکھنے کی کوشش نہ کرے گا یا تمنا نہ کرے گا وہ اندھا ہے اور وہ نقصان میں رہے گا'' میں تمہارا نگران نہیں ہوں یعنی دعوت طلب دیدار حق دینا داعی کا کام ہے دیکھنے نہ دیکھنے کی ذمہ داری بندگان خدا پر ہے۔

اب بات رہ جاتی ہے اُن لوگوں کی جو سرے سے اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں ۔جب حقیقت سے انکار ہے تو اس کے داعی کا اقرار کیسے کریں گے۔حالانکہ ظاہری عبادت اور اپنی علمی قابلیت کے سہارے خود کو اللہ والے یا اللہ کے دوست یا اللہ کا کام کرنے والے بتاتے نہیں تھکتے۔اُن کے مطابق اولیاء و کاملین اللہ کے دوست نہیں تھے وہ بدعات اور خانقاہیت تھی۔خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور خود کو اللہ کا مقرب بھی مانتے ہیں۔ ابلیس کو کہاں یہ گمان تھا کہ وہ اللہ کی مخلوق نہیں ہے۔ اُسے تو بس اس کا علم، عبادت اور اُس کا آتشی غرور تھا جو اُسے راندہ درگاہ الٰہی کر دیا۔ اسے احساس تھا کہ مخلوق ہے تبھی تو آدم کے دل یعنی نفس میں جگہ مانگی تھی۔ اللہ رب العزت سے کیا قرآن مجید کو اپنی سمجھ سے پڑھ لیتے اور اپنی مرضی سے شرعی اعمال کے تقاضوں کو پورا کر لینے سے خدا کی قربت اور محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسا غیر ایمان والے بھی قرآن کی عظمت اور حضور صلعم تقدس کا اقرار کرتے ہیں تو کیا وہ خدا مقرب اور محبوب مانے جائیں گے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو پھر شرعی ریاضتوں اور مشقتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے پہلے حق دار حضرت رسالتمآب صلعم ہوتے جب کہ آپ ﷺ نے تقوئی پرہیز گاری عبادت و ریاضت کی مشقت کیوں برداشت کرتے۔ صدقے کا ایک خرمہ تے کرکے نکال پھینکا، رات رات بھر کھڑے عبادت میں مصروف رہے جبکہ آپ ﷺ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ تمام مال غنیمت تقسیم کر کے فاقوں کی مشقت کیوں گوارہ کی۔ غار حرا کی اندھیری تنہا راتوں میں حق کو کیوں تلاش کیا۔ وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر ہجرت کیوں کی۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ آپ ﷺ نے اللہ کی خوشنودی میں گوارہ کیا۔ یہی ولایت محمد یہ ﷺ کے اعمال ہیں جسے بعد کے بزرگانِ دین نے اختیار کیا۔ اگر رسول ﷺ چاہتے تو جو کچھ قرآن میں فرائض بتائے گئے عمل کر لیتے شرعی احکام کی پابندی کر لیتے مگر نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کے علاوہ ریاضتیں اور مشقتیں اُٹھائیں، اُس انعام کو پانے کے لئے جس کا وعدہ سورۂ نور میں کیا گیا ہے ''اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ'' اور اپنے فضل و کرم سے اور ''زیادہ''

حضور صلعم نے خاتم ولایت محمد یہ ﷺ کی شان یہ بیان فرمائی ہے کہ ''میرے نقش قدم پر چلے گا کبھی خطا نہیں کرے گا''، یعنی معصوم عن الخطاء ہونا اور آپ ﷺ کی شریعت پر بے خطا چلنا

بہر کیف ولایت محمد یہ ﷺ اُمت محمد یہ ﷺ کا خاص وصف ہے اور خاتم ولایت محمد یہ ﷺ کا ظہور منشائے قدرت ہے۔ خاتم ولایتؑ کے تعلیمات اور اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پہچانا جا سکتا ہے جیسے اُسے پہچاننے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور بینائی کی تعلیم کے لئے اللہ کے رسول ﷺ اور تابع تام خلیفۃ اللہ خاتم ولایت محمد یہ ﷺ معمور من اللہ تھے۔ OOO

☆☆☆

جناب سید یوسف صاحب۔ بنگلور

دیدار اور بصیرت

مہدی موعودؑ نے فرمایا کہ: طلب دیدار خدا جو بندہ کی دعوت کا اصل اصول ہے وہ تم سے جاتا رہے تو یقین کرلو کہ بندہ تم میں نہیں ہے۔ اس نقل میں دو باتیں ہیں پہلی یہ کہ مہدی موعود کی بعثت کا اصل مقصد ہی دعوت دیدار ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کسی وجہ سے دیدار کا یقین نہ ہو یا اس میں کسی قسم کا تردد ہو تو ایمان کا ضائع ہونا حق ہے۔ اگر اس نقل مبارک کو سامنے رکھ کر دیدار کی حقیقت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ دیدار یا دید کا عام فہم معنیٰ تو آنکھ سے دیکھنا یا دیکھا جانا ہی لیا جاتا ہے۔ جبکہ معرفت الٰہی کے باب میں جو اقوال و افکار بزرگوں سے منقول ہیں ان میں دیدار کی حقیقت صرف آنکھ سے دیکھنا ہی نہیں بلکہ روحانی اعتبار سے قلب و نظر سے کسی حقیقت کے تجزئے کو دیدار کہا جائے گا۔ اور موجودہ سائنس بھی اس حقیقت کو مانتی ہے۔ تو سب سے پہلے موجودہ علوم یا سائنس سے اس حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ایک حقیقت کو ذہن نشیں کرنا ہوگا کہ عقاید مہدویہ کا مشاہدہ حق جو اپنے اپنے خانوادہ کے سلسلہ کا حصہ ہے وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو تعلیمات مہدیؑ موعودؑ کی سلسلہ تربیت کا وہ روشن باب ہے جو مہدویہ بزرگان سلف کا آزمودہ و ثابت کردہ ہے جس میں کلام نہیں۔ دیدٔ نظر یا Vision ایک واحد صفت نہیں ہے بلکہ ایک پورے نظام عمل کو کہتے ہیں۔ موجودہ سائنس کہتی ہے کہ جب روشنی عدسہ (آنکھ کی پتلی, lens) کے ذریعہ اندر پہنچتی ہے تو سارا آس پاس کا منظر آنکھ میں سمو دیتی ہے وہاں پر ایک کیمیاوی عمل chemical process transition کے بعد دماغ کے پچھلے حصے dorsal stream اور ventral stream میں پہنچ کر cerebral cortex یعنی دماغ کی اوپری پرت میں پہنچنے کے بعد حافظہ میں موجود data (خیالات احساسات تجربات اور اعداد و شمار سے تمام چیزوں تصویروں اور خیالات و احساسات کو کھنگال کر سکنڈ کے ہزارویں حصے میں معلوم کرواتی ہے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے اس طرح ہر آن اور لحہ باریک بینی سے ہر چیز کی شناخت ہوتی رہتی ہے, جو ایک مسلسل تحریک ہے۔ آنکھ اپنے اندر کی روشنی کو سمو کر اسے کیمیاوی برقی لہروں نیورانس neurons میں

تبدیل کر کے دماغ اور جسم کے دوسرے حصوں کو معلومات پہنچاتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ نظر آنا یا دیکھنا یا دیکھا جانا صرف عدسہ یا آنکھ کا واحد عمل نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کمپیوٹر کا اسکرین یا مونیٹر ایک الگ حصہ ہے اور cpu سنٹرل پروسیسنگ یونٹ الگ ہے۔ جب تک سی پی یو حرکت میں نہیں آتا یا کارگر نہیں ہوتا مونیٹر پر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جس طرح مونیٹر کا پلگ نکال دینے سے کچھ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح دماغ کے کیمیاوی عمل کے کام نہ کرنے سے آنکھ دیکھنے اور حالت اور کیفیت سے بار آور ہونے سے معذور ہے جسے کمپیوٹر کی زبان میں ہارڈ ویر سیلف الگورتھمس کہتے ہیں (Hardware self algorithms) اس سے معلوم ہوا کہ صرف سامنے موجود چیزوں کا روشنی کے ذریعہ آنکھ میں پہنچ جانا نظر نہیں ہے بلکہ یہ ایک پورا صفاتی و کیمیاوی نظام عمل ہے اس کے بعد ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ جسے عقیدہ و مذہب کے الفاظ میں "بصیرت" "قلب ونظر" یا "دید" کہتے ہیں۔ قلب دل کو کہتے ہیں جو جسم میں ایک خون کا لوتھڑا ہے مگر اعقیدہ کی زبان میں دل دماغ اور ان کے درمیان متحرک کیمیاوی عمل کو بصیرت یا دید کہا جاتا ہے جس کا اوپر خلاصہ کیا ہے۔ جسے انگریزی زبان میں Intigrated cordination کہا جائے گا۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ دوربین کے دو حصے ہوتے ہیں آگے بھی شیشہ لگا ہوتا ہے پیچھے بھی، اگر آگے کا شیشہ صاف ہے پیچھے کا دھندلا یا ناکارہ ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا اس کا الٹ بھی ایسا ہی ہے۔ اس لئے دونوں شیشوں کا بہتر حالت میں ہونا ضروری ہے' یہی معاملہ نظر یا ویژن کا بھی ہے۔

vision یا نظر کی تعریف یوں کی گی ہے: نظر محض ایک ایسا نتیجہ ہے جو کسی غیر ارادی تجزیہ کی وجہ سے کسی چیز کو سمجھنے کی کوشش کرنا جس سے کہ ماضی بعید میں ہمارے حواس خمسہ میں موجود تجربہ یا جائزہ سے کما حقہ نتیجہ برآمد کرنا ہو۔ اس طرح بھی کہا گیا ہے: اطراف واکناف موجود چیزوں کو اندرونی قابلیت کے ذریعہ مجتمع کر کے اس تجزیہ اور تحقیق کو نظر آنے والی روشنی میں خصوصا حواس خمسہ کے تجربات سے جانتے ہوئے کچھ قدرتی مناظر یا حقیقت یا کسی نظریہ یا کیفیت یا کسی تصویر یا عقیدہ کو اس کی حقیقت کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرنا اور اس سے خواطر خواہ نتیجہ برآمد کرنا۔ نظر کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ کسی شئے کا بہتر اندازہ لگانا' یا اپنے ذہن میں موجود کسی خیال یا تصویر کو مجتمع کرنا' یا کسی خواب یا ان دیکھی حقیقت یا عقیدہ کی نہج کو پانے کی کوشش کرنا یا تخیل و ارادہ کو پہنچنے کی کوشش کرنا۔ ان تمام صفتی نظریاتی ارادہ اور کوشش کو بھی نظر کہتے ہیں۔ یہ صفاتی و نظریاتی عمل ہر انسان میں مختلف قسم سے اسے معلومات بہم پہنچاتا ہے جو اس کے

اردگرد رونما ہونے والے حالات پر منحصر ہوتا ہے۔اگر انسان بہتر صفات یا نظریاتی عمل اور عقیدہ کو بروئے کارلاتا ہے تو نتیجہ بھی بہتر اور خاطر خواہ ہوتا ہے وگرنہ غیر ارادۃً بے ہنگم خیالات کا لازمی نتیجہ الجھن اور نظریاتی تفرقات کا موجب ہوتا ہے۔

دید کے معنی دیکھا ہوا یا کسی چیز کا آنکھوں سے دیکھ لیا جانا نظارہ ہونا اپنے آگے پیچھے اطراف و اکناف کے ماحول کا احاطہ کر کے اس کو اپنے دماغ یا ذہن میں سمو لینا یا اس کی ماہیت کا اندازہ کرنا وغیرہ ہم اکثر و بیشتر زندگی کے معاملات کو دیکھ چکے ہوتے ہیں ,جیسے کہ بچپن کے کئی واقعات ہمیں یاد رہتے ہیں کئی چہرے خیال میں محفوظ ہوتے ہیں کئی حادثات من وعن یاد رہتے ہیں کسی موقع یا واقع پر ہمیں وہ یاد آجاتا ہے پر دکھائی نہیں دیتا تصور میں ہم وہ تمام واقعہ دیکھ لیتے اور سمجھ لیتے ہیں جس سے کہ ہم موجودہ حال کا موازنہ اور تطبیق کرتے ہیں جسے دوسرے معنوں میں تجربہ بھی کہا جاتا ہے یعنی دید ماضی یا ماضی موجود ہوا۔اور دیدار! دیکھنا یا دیکھے جانے کے موجود یا حال کو یاد یکھنے کی کوشش کو کہتے ہیں اور یہ دید سے الٹ ہے جیسا کہ ہم کسی معاملہ یا نظریہ یا واقعہ کا ذہن میں نقشہ یا تصور قائم کر لیتے ہیں جو یقین پر مبنی ہوتا ہے جو بھی تصور یا واقعہ قلب ونظر کے سامنے آتا ہے اس کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے جیسے کہ ایمان: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا حالانکہ ہم نے اسے دیکھا نہیں ہے,اس کے فرشتوں پر ایمان لانا جبکہ ہم نے انہیں دیکھا نہیں اس کے رسولوں پر ایمان لانا جبکہ ہم نے انہیں دیکھا نہیں ,اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا جبکہ ہم نے انہیں پڑھا نہیں ہے آخرت پر ایمان لانا جبکہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ آخرت کیسی ہوگی کس طرح ہوگی اسی طرح روز محشر قیامت جنت جہنم پر ایمان لانا۔دید اور دیدار میں یہی فرق ہے ایک کیفیت جس سے ہم گذر چکے ہیں اور ایک جس سے گذر رہے ہیں یا ہم گذرنے والے ہیں دونوں کا یقین ہے مگر ایک حالت سے گذر چکے دوسری حالت سے گذرنے والے ہیں مگر یقین دونوں کا ہے۔دید دیکھا ہوا دیدار دیکھا جانا یا دیکھا جائے یا دیکھا جا سکتا ہے اسی حقیقت کو قرآن 'بصیرت' کہتا ہے۔خالق کی پہچان پیدا کرنا اسلام ہے اور اس کو پہچاننا ایمان ہے' اسلام ان دیکھے خدا پر ایمان لانا ہے ,اور احسان جسے نہ دیکھا ہو اس کو دیکھنا یا دیکھنے کی کوشش کرنا ہے۔مطلب احسان ایسی کیفیت کو کہتے ہیں جو کہ ہمارے اپنے ماضی اور حال کے مشاہدے اور مستقبل میں ہونے والے کسی کیفیت یا حالات کے مجموعہ نتیجے کے ظاہر ہونے کو کہیں گے۔

مثلاً آج نئی ایجادات نے کئی آسانیاں اور وسائل پیدا کر دیئے ہیں۔پچھلے زمانوں میں مکہ مکرمہ جا کر فرض

حج اداء کرنا مشکل کام تھا۔ جب حاجی حج سے واپس لوٹتے تو وہاں کے حالات موجودات اور ادائیگی ارکان کے مفصل حالات بتاتے۔ اس سے ذہن میں ہمارے ایک نقشہ کھنچ جاتا۔ ہم تصور میں مسجد حرم کعبہ مزدلفہ جمرات صفا مروہ کی سعی و دیگر مقامات کا تصور میں ایک ہالہ بنا لیتے ان مقامات و ارکان کی ایک ہیئت ہمارے قلب ونظر میں منعکس ہو جاتی۔ اور یہ کیفیت ہر ایک شخص کے ذہن میں مختلف ہوتی تھی جس نے حج نہ کیا ہو۔ مگر اصل حقیقت وہی ہوا کرتی جس سے کہ حجاج نے بذات خود دیکھا ہوتا۔ یہی معاملہ احسان کا ہے کہ جب تک ہم اپنی بصیرت سے بصارت سے حق کی حقیقت کا بذات خود اندازہ نہیں کر لیتے دیدار کی حقیقت ہماری عقل وفہم سے وراء ہے۔ جتنا زیادہ ہم اس میں غور کرتے ہیں ہمارے ورطہ حیرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یازدہ رسائل میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نور، نور لوائح (چمکیلی روشنیاں) ہے علوم کے روشن ہونے سے۔ پھر نور لوامع (درخشاں) ہے بیان وفہم سے پھر نور طوالع (وسیع) ہے یقین کے زیادہ ہونے سے پھر نور صمدیت ہے جہاں نہ نزدیکی ہے نہ دوری نہ گم ہونا نہ پانا۔ دنیا نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں تھا تصور رکھتے تھے وہ صرف اپنے ماحول اور آس پاس کے مہیب اور طاقت ور اشیاء کو ہی معبود مانتے تھے۔ مگر جب اللہ کے رسولؐ نے اللہ کی راہ کی طرف رہنمائی کی تو اللہ کو پہچانا جو کعبہ ان کے لئے بتوں کا معبد تھا وہ ان کے لئے اللہ کی عبادت کا گھر بن گیا۔ جب پہچان لیا اس کے احکام پر اس کے فرشتوں پر رسولوں پر روز محشر جنت جہنم پر ایمان لے آئے، حالانکہ ہمارے سامنے نہ رسول ﷺ ہیں نہ کوئی بتانے والا یا منع کرنے والا مگر ہم ارادۃً یا غیر ارادی طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتے رہتے ہیں، مثلاً ہم روزہ رکھتے ہیں چھپ کر کھا پی سکتے ہیں مگر ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن یہی عمل کرتے ہوئے جب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ موجود ہے ہمیں دیکھ رہا ہے ہماری ہر حرکت کا نگران ہے تو یہ احسان کی طرف پہلا قدم ہے، اگر یہ عمل اور تصور وخیال رگ و پے میں بس جائے ہر آن ہر لحہ اس کی موجودگی کا احساس ہوتا جائے اور غیر ارادۃً لحہ لحہ ایسا محسوس ہو تو یہ ذکر خفی کی بنیاد ہے اس کے بعد نظام کائنات اور اس کے خالق کا وجود اور تصور ہر آن احسان کی طرف قدم بہ قدم بڑھنے لگتا ہے۔ جہاں پر بلا واسطہ احکام و ارکان کا نزول ہوتا رہتا ہے، اس کے بعد قدم سیر محمد کی طرف بڑھنے لگتے ہیں جو مقام سدرۃ المنتہیٰ کے آگے کا مقام ہے۔ یہ تمام کیفیتیں اسی chemical process transition کی طرح ہیں جو نظر دید یا دیدار کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے بجائے نظر یا دید کو آنکھ سے دیکھنا یا اس عمل کو آنکھ کی پتلی یا

آنکھ کے عضو تک ہی محدود کرنا یا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔اس کو نہ صرف عقیدہ و مذہب میں نہ موجودہ سائنس نے صحیح مانا ہے۔مثلاً غذا کا نظام ہضم صرف معدہ اور آنتوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں تلی (pancrea) اور دوسرے اعضا و غدود سے نکلنے والے رطوبتیں (insulins) جب تک معدے میں داخل نہیں ہوتے غذا ہضم ہونے اور توانائی اور خون بننے کے قابل نہیں ہوتی۔اسی طرح جب تک روشنی کیمیاوی عمل کے ذریعہ neurons میں تبدیل ہو کر ہمارے حواس کو مجتمع نہیں کرتی ہم اسے نظر آنا یا دیکھنا نہیں کہہ سکتے۔معلوم ہوا کہ ''حواس مجتمع' Collective assesment or Collective accumulation کے نتیجے کو نظر دید یا دیدار کہا جائے گا جسے عقیدہ و مذہب کی زبان میں ''بصیرت'' کہتے ہیں۔یا دوسرے معنوں میں آنکھ سے دیکھے جانے کے علاوہ حواس مجتمع سے برآمد ہونے والے نتیجے کو بصیرت کہیں گے۔مثلاً اگر حضور نبی کریم محمد ﷺ ہمیں صرف خدا کے واحد ہونے خالق ہونے کے احوال بتادیتے اور روز محشر جنت و جہنم سے آگاہ کر کے خدا کی عبادت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کو کہتے تو اس کا وہ نتیجہ برآمد نہ ہوتا جو برآمد ہوا۔بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن تنزیل کیا اس میں احکام واقعات نیکی گناہ عذاب وعدہ وعید کو مکرر سکرر بتایا۔بس اتنا ہی نہیں اپنی رسول ﷺ کے زبانی کئی حقیقتوں کا خلاصہ کیا ان کی زندگی کو ایک نمونہ بنایا کیونکہ انسان فطرۃً نکتہ چیں اور خوشہ چیں واقع ہوا ہے کہ جب تک وہ تمام احوال کا اکتساب نہیں کرتا وہ کسی حقیقت کو جلدی قبول نہیں کرتا۔

چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن جیسا معجزہ سامنے موجود ہے احادیث کا ذخیرہ ہے مگر! انسان کی تسلی نہیں ہوتی علم فقہ علم الکلام نحو صرف تاریخ اصول و ضابطہ کے مجتمع نتیجے کے بغیر کوئی حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔اور یہ بصیرت' دید یا دیدار دنیاوی اور دین کے عقایدی نظریات محسوسات تعلیمات دنیا و تعلیمات قرآن کا بنیادی عنصر ہے۔جس کے بغیر نہ کوئی چیز دیکھی جائے گی نہ سمجھی جائے گی نہ سمجھی جاسکتی ہے۔جیسے کہ ہم پردے پر فلم دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ اصل منظر ہمارے سامنے نہیں ہوتا بلکہ کوئی اور اپنے کیمرے میں قید کر کے وہ منظر ہمیں دکھا رہا ہے جو کہ عارضی ہے اور پہلے کسی وقت اس منظر کو کیمرے میں قید کیا ہے۔ہوسکتا ہے اس سے بہتر منظر ہم دیکھ سکیں۔جبکہ ہم خود اپنی قابلیت کو بہتر کر کے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے یا دیکھ سکتے ہیں جو کہ دائمی ہوگا۔اسی حقیقت کو مہدیٔ موعود علیہ السلام نے ہر دن تازہ دیدار کی بات کہی ہے۔یعنی جو کتابوں کے ذریعہ بیانوں اور

تعلیمات کے ذریعہ بتایا جارہا ہے اسے ہم خود دیکھ سکتے ہیں مگر اس کے لئے اعلیٰ قابلیت پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اسی قابلیت کی تعلیم کو معرفت الٰہی اور تعلیمات احسان یا تعلیمات دیدار سے یاد کیا جاتا ہے۔ سہیل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ "مومن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، لیکن نہ تو اس کی ذات کا احاطہ کرسکیں گے اور نہ انتہا کا ادراک کرسکیں گے۔ یہ ایک ایسا مقولہ ہے کہ جس میں دیدار باری تعالیٰ کا وہی تعارف پیش کیا گیا ہے جو نظریا vision کے خلاصہ کی تائید میں بتایا جاتا ہے۔ حضرت بغدادیؒ فرماتے ہیں: ذات باری تعالیٰ واحد و یکتا ہے'..... نہ اس کی نظیر ہے نہ تو اس کی صورت بیان ہوسکتی ہے، نہ تشبیہ، نہ کیفیت، نہ تمثیل۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اس کے (اللہ تعالیٰ کے) مثل کوئی شے نہیں ہے۔ (الشوریٰ ۱۱) ابوبکر زاھر باذی فرماتے ہیں": معرفت ایک اسم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی تعظیم پیدا ہوجائے جو تجھے تعطیل اور تشبیہ سے روک دے" (اقتباس الانوار۔ شیخ محمد اکرام)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل کا کلام آوازوں اور حرفوں کے بغیر سنا بالکل یوں ہی جیسے نیک لوگ ذات باری تعالیٰ کو شکل اور رنگ کے بغیر دیکھتے ہیں (خطبات غزالیؒ)۔ نبی کریم ﷺ کے موجودہ سابقہ اور مستقبل میں ہونے والے اقوال و احوال کا صحابہؓ جب تب خلاصہ کرلیا کرتے تھے۔ واقعہ معراج مکہ میں پیش آیا مگر مدینہ منورہ میں کئی احوال کی تفصیل حضور ﷺ سے کئی صحابہ نے دریافت کر کے حوادث کو درست فرمایا ہے۔

کتاب عوارف میں ہے کہ سالک کی آخرت دنیا اور دنیا آخرت ہوجاتی ہے۔ جب کسی کی دنیا آخرت ہوجائے تو جو کچھ آخرت میں اس کے ساتھ ہونے والا ہے وہی اس دنیا میں بھی ہوجاتا ہے (یازدہ رسایل۔ خواجہ گیسو دراز) تفسیر قشیری میں ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ افمن شرح اللھصدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام کے لئے وہ ہے اللہ کے نور پر آیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے سوال کیا کہ وہ نور کیا ہے اس کا آپؐ نے یہ جواب دیا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں روشن ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ نور کیا ہے آپؐ نے جواب دیا کہ غرور کے گھر سے نکل جانا (فریب دھوکہ کی جگہ سے باہر آنا) ہمیشہ کے گھر میں آجانا۔ موت کے آنے سے پہلے موت کی استعداد کا پیدا کرلینا۔ اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۴۴۲ میں ہے کہ: دیدار الٰہی دنیا میں بھی ممکن ہے بالاتفاق ہاں حضرت سید المرسلین ﷺ کے لئے شب معراج میں دیدار الٰہی واقع و ثابت ہے۔

انجیل برنا باس وہ انجیل ہے جسے نصاریٰ نے صدیوں سے چھپا دیا ہے کیوں کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کہ راسخ العقیدہ حواری برنا باس نے لکھا تھا جس میں عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہنے پر پھٹکار لگائی گئی ہے۔ اور بہت ساری جھوٹی اناجیل کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اسی برنا باس کی انجیل میں ذکر اللہ، تقویٰ اور دیدار کا ذکر بڑا واضح ہے دیکھئے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دیگر دینی اُمور کے علاوہ دیدار خداوندی نہ صرف عوام کی بلکہ انبیاء علیہم السلام کی بھی خواہش رہی ہے۔ انجیل برنا باس صفحہ ۱۴۷ کے بعد: ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو بدن سے جاگتا ہے اور روح سے سوتا ہے وہ مجنون ہے۔ جیسے روحانی روگ جسمانی روگ سے زیادہ سنگین ہے۔ اسی طرح اس کا علاج بھی مشکل ہے۔......روح کا سونا خدا اور اس کی خوفناک عدالت سے فراموشی ہے۔......سو بیدار روح وہ ہے جو ہر چیز میں اور ہر جگہ پر خدا کو دیکھتی ہے۔ اور ہر بات میں اور ہر بات پر ہر بات سے بڑھکر اُس ذی جبروت کا شکر ادا کرتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہمیشہ ہر لحہ وہ خدا سے فضل اور رحمت پاتی ہے۔ پس اس کے جبروت کے خوف سے ہمیشہ اس کے کان میں یہ ملکوتی صدا گونجتی ہے، مخلوقو' عدالت کو آؤ' کیونکہ تمہارا خالق تمہاری عدالت کیا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ عادتاً ہمیشہ خدا کی خدمت میں رہتی ہے۔ بتاؤ تمہیں کس کی زیادہ خواہش ہوتی ہے' ستارے کی روشنی سے دیکھنے یا سورج کی روشنی سے؟ اندریاس نے جواب دیا: سورج کی روشنی سے۔' کیونکہ ستارے کی روشنی سے ہم قریبی پہاڑ کو بھی نہیں دیکھ سکتے، اور سورج کی روشنی سے ہم ریت کے چھوٹے چھوٹے ذرے کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ پس ستارے کی روشنی میں ہم ڈرتے چلتے ہیں، پر سورج کی روشنی میں اطمینان سے چلتے ہیں۔

۱۰۹۔ یسوعؑ نے جواب دیا: اس طرح میں تم سے کہتا ہوں کہ تم روح کو عدالت کے سورج میں بیدار رکھو (جو) ہمارا خدا (ہے) اور بدن کے جاگنے پر اپنے تئیں مغرور نہ کرو.............تب اس (برنا باس) نے جو لکھتا ہے جواب میں کہا: اے اُستاد ہم خدا کو ہمیشہ یاد (ذکر اللہ) میں کیونکر رکھیں۔ یقیناً ہمیں یہ ناممکن لگتا ہے۔ یسوعؑ نے آہ بھر کر کہا: اے برنا باسؑ یہ سب سے بڑی بدنصیبی ہے جو انسان پر پڑے' کیونکہ یہاں زمین پر' انسان خدا' اپنے خالق کو ہمیشہ یاد (ذکر) نہیں رکھ سکتا' سوائے ان کے جو مقدس ہیں' کیونکہ اُن میں خدا کے فضل کا وہ نور ہوتا ہے کہ وہ خدا کو نہیں بھول سکتے۔ پر بتاؤ' کیا ہم نے دیکھا جو پہاڑ کے پتھروں میں کام کرتے ہیں' کہ کس طرح انہوں نے پیہم مشق سے ایسا چوٹ مارنا سیکھ لیا ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے باتیں بھی کرتے جاتے ہیں اور ساتھ کے ساتھ آہنی اوزار بھی' اُس پر نظر ڈالے

بغیر چلاتے رہتے ہیں جو پتھر توڑتا ہے' تو بھی وہ اپنا ہاتھ زخمی نہیں کر لیتے؟ پس تم بھی ایسا ہی کرو۔ اگر تم فراموشی کی (خدا کے ذکر کی) بدبختی پر پوری طرح غالب آنا چاہتے ہو تو پاکباز بننے (تقویٰ پرہیزگاری) کی خواہش کرو۔ یہ یقینی ہے کہ پانی سخت ترین پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اگر ایک قطرہ بھی لمبے عرصے تک اس پر پڑتا رہے۔ (صفحہ ۱۵۷)

۱۰۔۱۱۔ بھلا بتاؤ' کیا ہمارا خدا تمام موقعوں پر تمہیں (اپنے فضل سے) نوازتا ہے؟ ہاں بے شک! کیونکہ وہ تمہیں لگاتار سانس عطا کرتا رہتا ہے (اس کے ذکر کے لئے) جس سے تم جیتے ہو۔ ہاں ہاں' میں تم سے سچ کہتا ہوں ہر بار جب تمہارے بدن میں سانس آئے تمہارا دل کہے "خدا کا شکر" (الا اللہ تو ہے۔ ذکر خفی) تب یوحنا نے کہا: اے استاد جو تو کہتا ہے نہایت سچ ہے' سو ہمیں یہ مبارک حالت (ذکر اللہ کی) پالینے کا طریقہ سکھا۔ یسوع نے جواب دیا: میں تم سے سچ کہتا ہوں' کوئی شخص اس حالت کو انسانی طاقتوں سے نہیں پاسکتا' (جب تک خدا کا فضل شامل حال نہ ہو) بلکہ خداوند ہمارے خدا کی رحمت سے بے شک یہ سچ ہے کہ آدمی کو اس بھلائی کی خواہش کرنی چاہئے کہ خدا اسے دے۔ ....

یسوع نے جواب دیا: یقین جان' برناباس کہ جتنا رونا چاہئے' میں نہیں روسکتا۔ کیونکہ اگر لوگ مجھے خدا (خدا کا بیٹا) نہ کہتے تو میں یہاں """ خدا کو دیکھ لیتا' جیسے وہ بہشت میں دیکھا جائے گا' اور (میں) ایسا سلامت ہوتا کہ عدالت (روز محشر) کے دن سے بے خوف ہوتا۔ پر خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں' کیونکہ میں نے اپنے تئیں ایک غریب (حقیر) بندے سے بڑھ کر ہونے کا خیال کبھی بھی نہ کیا۔ بلکہ میں تجھے بتاتا ہوں کہ اگر میں خدا نہ کہلایا جاتا تو میں دنیا چھوڑنے پر بہشت میں پہنچا دیا جاتا۔ جب کہ اب میں وہاں عدالت تک نہ جا پاؤں گا (روز محشر حساب کے بغیر) اب تجھے معلوم ہوا کہ میرا رونا بجا ہے۔ اے برناباس! جان لے کہ اس کی بدولت میں بڑی اذیت میں مبتلا ہوں گا۔ اپنے شاگرد کے ہاتھوں تیس روپیوں (یا سکوں) کے عوض بیچا جاؤں گا' جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا۔ انجیل برناباس ہی میں نہیں بلکہ لوقا کی انجیل میں بھی یہ ذکر موجود ہے' حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو اس بات سے منع کیا تھا کہ وہ آپ کو مسیح ابن اللہ کہیں: لوقا: اس نے ان سے کہا: لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس یا پولوس یا پیٹر نے جواب میں کہا خدا کا مسیح۔ اس (عیسیٰؑ) نے ان کو تاکید کر کے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا۔ (ب ۹۔ ۲۰/۲۱)

....

غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اسرئیلی جس مسیح کے منتظر تھے اُس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ وہ تلوار کے زور سے دشمنانِ حق کو مغلوب کرے گا۔ (جیسا کہ اہل اسلام کا بڑا گروہ مانتا ہے کہ مہدی تلوار کے زور سے حکومت کریگا)۔ بات شروع ہوئی تھی دیدار کی درمیان میں انجیل کا ذکر اس لئے آ گیا کہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ آرزو رکھتے تھے۔ ورنہ یہ نہ کہتے **اگر لوگ مجھے خدا (خدا کا بیٹا) نہ کہتے تو میں یہاں "" "خدا کو دیکھ لیتا" جیسے وہ بہشت میں دیکھا جائے گا" اور (میں) ایسا سلامت ہوتا کہ عدالت (روز محشر) کے دن سے بے خوف ہوتا۔** مطلب یہ کہ دیدار ہر پیغمبر اور اُن کی اُمت کے خاص افراد کی خواہش کا ایک مُسلمہ مسئلہ رہا ہے۔ اناجیل کے کلام و بیان میں انسانی دخل اندازی ایک معلوم حقیقت ہے۔ اگر بہ فرض محال انجیل برناباس کے کچھ بیانوں کو نہ بھی مانا جائے تو اس حقیقت سے تو قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن مجید واضح طور پر دنیا میں بصیرت یا دیدار کے حق ہونے کا نہ صرف اعلان فرماتا ہے بلکہ اس کی دعوت بھی دیتا ہے۔ قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ کہدو کہ یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں بصیرت (دیدار) کی طرف میں (محمد ﷺ) اور میرا تابع (مہدیٔ موعود) (سورہ یوسف ۱۰۸)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یَزِيۡدُ فِى الۡخَـلۡقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (فاطر آیت ۱) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں اضافہ فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے حالانکہ بہت سے مفسروں اور مترجموں نے اس کے کئی معنی لئے ہیں۔ اس سے پہلے کی آیت میں فرشتوں کے پروں کا ذکر ہے اسلئے بہتوں نے فرشتوں کے پروں میں اضافے کی بات کہی ہے۔ لیکن! حضرت قتادہؓ نے کہا ہے کہ اس سے مراد آنکھوں کی خوبصورتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مطلق ہے ہم اسے مطلق ہی لیں گے آنکھوں کی خوبصورتی نہیں، بلکہ اس میں آنکھوں کی بصارت میں اضافے کی بات ہے۔ یعنی اللہ چاہے تو اپنے خاص بندوں کی آنکھوں کی بصارت میں یا بصیرت میں ایسا اضافہ فرماتا ہے کہ حجابات اُٹھا دیئے جاتے ہیں کہ بندہ وہ دیکھتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔ دنیاوی معاملات میں حضرت عمر فاروقؓ کا معاملہ روایتوں میں ہے کہ آپؓ ممبر پر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے درمیان میں "یا ساریۃ الجبل" پکار اُٹھے لوگ حیران ہوئے کہ یہ حضرت عمرؓ کو کیا ہوا۔ کئی دن بعد قاصد آیا ایران سے فتح کی خوشخبری لیکر اور جنگ کے حالات سناتے ہوئے کہنے لگا کہ جنگ اپنی انتہاء پر تھی پیچھے سے دشمن نے حملہ کر دیا، اتنے

میں کسی نے زور زور سے پکار کر کہا کہ 'اے ساریہؓ (جو اس جنگ کے کمانڈر تھے) پیچھے پہاڑ کی طرف دیکھو' ہم سب نے پلٹ کر دیکھا اور دشمن کو مار بھگایا ورنہ ممکن تھا ہم مغلوب ہو جاتے۔تب مسجد میں بیٹھے لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ ممبر سے جنگ قادصیہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے کس نے حجاب اُٹھایا' کس نے اُن کی بصارت میں اضافہ کیا؟ جو ہزاروں میل تک دیکھ سکتی تھی۔وہ وہی ہے یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کوئی بھی اسکے علم کا اس کی قدرت کا اندازہ نہیں لگا سکتا وہ خود فرماتا ہے کہ ولا یحیطون بشی الا بما شاء(بقرہ ۲۵۵)

تمام لوگ اللہ کے علم میں کسی شئے کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔''یعنی وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس میں کسی بھی مخلوق کو کلام نہیں ہے۔وسیع کل شی علماً (طہٰ) ہر شئے سے اس کا علم فراخ (وسیع) ہے۔عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: کوئی بھی چیز اللہ کے نزدیک ابن آدم سے زیادہ عزت والی نہیں ہے۔صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا فرشتے بھی؟ آپ ؐ نے فرمایا فرشتے تو مجبور محض ہیں چاند اور سورج کی طرح۔(اما بیہقی۔شعب الایمان جلد اصفحہ ۱۶۰) سورۂ نور کی ۵۵ ویں آیت مبارکہ یستخلفنھم فی الارض اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ضرور زمین پر خلافت عطا کریگا۔کو بیان کر کے امام بیہقی نے عروہ بن رویم انصاریؓ کی اس روایت کو پیش کیا ہے کہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا فرمایا اور ان کی اولاد کو' تو فرشتوں نے کہا آپ نے انہیں پیدا فرمایا ہے جو کھائیں گے پئیں گے شادی بیاہ کریں گے سواری کریں گے' سو دنیا کو اُن کیلئے خاص کر دیں 'اور آخرت کو ہمارے لئے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں ایسا نہیں کروں گا' ان کیلئے جن کو میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور جس میں میں نے اپنی روح پھونکی۔(اور اُن کو اُن جیسا نہیں کروں گا) جن کو میں نے ''کن'' کہا اور ہو گئے۔(یعنی انسان کو تمہارے برابر نہیں کروں گا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے اندر کوئی ایسی چیز ودیعت کی ہے جو دوسری مخلوقات میں نہیں۔اُس خاص قابل چیز کا عطا کیا جانا کسی خاص حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ یعنی ابن آدم خاص ہے عام نہیں اس کے اعمال اور محرکات بھی مخصوص ہیں۔اس لئے ابن آدم کو حواس مجتمع کا پیکر ہو کر اُس حقیقت کو پانا ہے جسے حدیث کی زبان میں ''احسان'' کہا گیا اور قرآن نے ''بصیرت'' اور اس کا بیان کرنے والے کو مہدیٔ موعود آخر الزماں۔

محمد بن عطارد بن حاجب تیمی سے روایت ہے کہ 'فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جب مجھے معراج

کرائی گئی میں ایک درخت میں تھا اور جبرائیل دوسرے درخت میں (سدرۃ المنتہیٰ پر؟) پھر ہمیں چھپا لیا اللہ کے امر سے بعض چیز نے جو کچھ چھپانا تھا۔ اور جبرائیل اس وقت گر کر بے ہوش ہو گئے۔ مگر میں (ﷺ) الحمدللہ اپنی حالت پر ثابت رہا۔ اور میں نے جبرائیل کے ایمان کی اپنے ایمان پر فضیلت پہچانی۔ کہاں جبرائیل آسمانوں پر تجلی ذات دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور کہاں موسیٰ طور پر تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو جاتے ہیں یہ نور محمد ﷺ کا مرتبہ و شان ہے کہ آپؐ ہر حال ثابت رہے۔ اور آپ ﷺ کی اُمت میں اللہ کی محبت کرنے والوں کا حال یہ کہ والذین امنو اشد حبا اللہ (بقرہ ۱۶۵) جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سخت محبت کرتے ہیں اللہ کے ساتھ۔ اللہ کی محبت کا تقاضہ کیا؟ ابو عبداللہ معربیؒ کہتے ہیں کہ:

ایک رات حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری رات حضرت آدم علیہ السلام شان کی بابت غور فرماتے رہے اور عرض کرنے لگے کہ: اے میرے پروردگار آپ نے خود ہی انہیں پیدا فرمایا اور آپ ہی نے ان میں اپنی روح پھونکی اور آپ ہی نے ان کو فرشتوں سے سجدہ کروایا پھر آپ نے صرف ایک غلطی کی وجہ سے لوگوں کے منہ پھر وادئے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں وعصیٰ آدم ربہ فغوی (طٰہٰ ۱۲۱) نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس وہ بھٹک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے ابراہیم! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ محبوب کی مخالفت محبوب کے خلاف شدید اور سخت ہوتی ہے۔ یعنی جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی تھوڑی سی لغزش اور خطاء برداشت نہیں کی جاتی۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے اے داؤد اپنا سر اُٹھا میں نے تجھے بخش دیا (اُن کی کسی لغزش کی وجہ سے) سوائے اس کے کہ میرے پاس (تیرے لئے) وہ محبت نہیں جو تھی، یعنی میں نے بخش تو دیا مگر وہ محبت نہ رہی۔

دیدار کی طلب یا خواہش اللہ تعالیٰ سے بے انتہاء محبت کا تقاضہ ہے یہ بندے کا آزمایا جانا نہیں کہ تو اگر خدا ہے تو کیسا ہے۔ بلکہ یہ خدا کے حبیب ﷺ کی اتباع میں ایک کوشش ہے کہ شاید آپؐ کے طفیل ہمیں بھی حضوری نصیب ہو جائے جو قرآن میں اور صنائے قدرت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فبشر و عبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ان بندوں کو بشارت دے دیجئے جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں پھر اس میں زیادہ خوبصورت بات کی اتباع کرتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے شیخ حلیمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: جو چیز نبی کریم ﷺ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو آپؐ کے نام یا محمد یا احمد کے ساتھ مخاطب نہیں کیا بلکہ یا نبی یا رسول کے لقب

سے مخاطب کیا ہے۔ جبکہ دیگر انبیاء کو اے آدمؑ اے نوحؑ اے ابراہیمؑ اے موسیٰؑ اے عیسیٰؑ کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اپنے حبیب ﷺ کے تئیں محبت کا یہ نرالا انداز آپؐ کے تابع تام کیلئے بھی روا رکھا گیا انہیں من، خلق الانسان اور ہینہ کہکر مخاطب کیا ہے۔

بصیرت یا دیدار کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ہر کوئی کہے کہ چلئے مجھے دیدار کرائیے یا خدا کو دکھائے اور اس کی انگلی تھام کرلے گئے اور دیدار کرا دیا۔ بلکہ اُس کا ایک طریقہ کار ہے تربیت ہے تعلیم ہے منزلیں ہیں راہ سلوک ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسول آئے۔ سبھی کی خواہش خالق کائنات یا خدا کو دیکھنے کی رہی ہے مگر استطاعت و قابلیت حبیب اللہ ﷺ کی ہی رہی جنہیں معراج نصیب ہوئی۔ اگر ان کی اُمت کو دعوت دی گئی ہے تو کیا یوں ہی سرسری یا جزدی طور پر اس اعلان کی بنیاد پر دیدار کا تقاضہ کیا جائے گا؟ آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیا ﷺ کے دور تک انتظار کرایا گیا ہے رسول ﷺ کو بھی معرفت الٰہی کی منزلوں سے گزرنا پڑا اس کے لئے نو (۹) صدیوں کا انتظار کیا گیا اور اس کے بعد آپ ﷺ کے تابع تام مہدیٔ موعود علیہ السلام کی تربیت اور رہنمائی میں راستہ دکھایا گیا کہ ”طلب دیدار خدا ہی بندے کی دعوت کا اصل اُصول ہے“

معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے اور ابتدائے اسلام کا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ظلم وستم کے دوران اپنے حبیب ﷺ کو پہلے اپنے دیدار سے مشرف کرکے آپؐ کو اعلیٰ مقام پر فائز کیا بعد میں نبوت کے دوسرے لوازم سے سرفراز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی و رسول کو کچھ حیرت انگیز اور محیر العقل واقعات سے روشناس کرایا ہے۔ آدم علیہ السلام کو عرش سے فرش پر اُتار دیا۔ نوح علیہ السلام کے لئے ساری زمین کو سمند میں تبدیل کر دیا اُس پر اُن کی کشتی چلائی۔ ھود علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے لئے آسمان سے آگ اور پتھر برسائے۔ ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کو گلزار بنا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں راستہ بنا دیا اور طور پر اپنی تجلی دکھائی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنا سکھایا اور بقید حیات آسمانوں پر زندہ اُٹھالیا۔ مگر اُن کی اُمتیں اس کے بعد بھی ایمان پر قائم نہ رہیں۔ لیکن اُمت محمد ﷺ کو معراج کے بعد ہی اسلام میں دن بہ دن ترقی ہوتی گئی لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے اور ایمان دلوں میں قرار پکڑتا گیا۔ امت کو ایمان تو حاصل ہو گیا لیکن انسانیت کا وہ عرفان جو انسانیت کے وجود کی بنیادی ضرورت ہے جسے معرفت الٰہی کہتے ہیں اُسے محض مخصوص اللہ والوں کے کسی نے حاصل کرنے کی کسی نے

سی وجد وجہد نہ کی۔اسی لئے کہا گیا کہ مہدیؑ دین کو اُسی طرح زندہ کریگا جیسا کہ ہمارے وقت میں تھا۔

جس دیدار کی ابتداء آپ ﷺ سے ہوئی اس کے انتہاء مہدیؑ موعود آخرالزماں کے دعوت دیدار عام پر ہوئی۔مہدیؑ موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ 'میری بعثت کا اصل اُصول ہی دعوت دیدار ہے' اسی طرح کچھ حضرت عیسیٰؑ نے بھی کہا تھا کہ " میں لوگوں کو نجات دینے کے لئے آیا ہوں" (مدارج النبوہ جلد ۱/۱۴۳) ہر نبی ورسول کی اُمتوں کو معجزات سے وعدہ وعید سے عذاب سے سمجھانے کی کوشش کی کہ اللہ کی طرف آگے بڑھو اسے پانے کی کوشش کرو۔اُسے پانے کی کوشش کا صحیح طریقہ اسے دیکھنے یا اس کے دیدار کی آرزو کے سواء کیا ہوسکتا ہے۔اللہ کے خلفاء اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ جو کچھ اللہ اُن کے دل میں ڈالتا ہے تھا وہی کہتے ہیں۔جیسا کہ حق تعالیٰ حضور ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے۔وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى یعنی وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے وہی فرماتے ہیں جوان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کو ملائکہ فرشتے جنت جہنم اور مخلوقات کے عجایب وغرایب سے متعارف کرایا اس کے بعد اپنا دیدار کرایا۔اور اُمت مُسلمہ کو قرآن کے ذریعہ عالم غیب اور دنیا کی ترقی اور اس کی نیرنگی خلائق عالم میں غور وفکر کرنے اور خود کی حقیقت اور اپنی حقارت کو پہچان کر خالق عالم کو پہچاننے اور اسکے نظارہ میں غرق ہونے کی دعوت دی۔یہی حدیث جبرائیل یا حدیث احسان کا بنیادی نکتہ ہے: کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے' یا اتنا جان کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔جب اُمت نے یا اُمت کے علماء نے یہ کوشش نہیں کی اور معرفت الٰہی میں ترقی نہیں کی تو اپنے رسول ﷺ کے وعدہ کے مطابق مہدیؑ موعود خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ کو بھیجا کہ امت کے ان افراد کو دعوت بصیرت پر بلائیں جیسا کہ آپؐ کے متبوع کی سنت مخصوصہ رہی۔آپ علیہ السلام کی تعلیمات واعمال ترک دنیا' عزلت از خلق' ہجرت' تقویٰ' توکل' ذکر دوام سب لوازمات دیدار ہیں۔

اصل دعوت تو اُدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ ہے یعنی وہ سب کچھ زادراہ ہے منزل اللہ تعالیٰ کو پالینا اسے خوش کرنا اور خود خوش ہونے کے لئے اسے دیکھنا یا دیکھنے کی کوشش کرنا جو کہ اس کائنات کی تخلیق کا سبب ہے کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرا ف فخلقت الخلق میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاوں لہٰذا خلق کو میں نے پیدا کیا تا کہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات مظہر ہو میرے اظہار کا۔(حدیث قدسی) کو سچ کر دکھایا۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی

طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ مجھ سے ساری جنت کا سوال کر بیٹھیں تو میں انہیں دے دوں اور جو دنیا میں سے کچھ مانگیں تو نہ دوں۔ اور یہ نہ دینا اس لئے نہیں کہ وہ میرے نزدیک ذلیل ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آخرت میں ان کے لئے اپنی عطائیں ذخیرہ کروں اور دنیا سے انہیں ایسے بچاؤں جیسے چرواہا اپنی بکریوں کو بھیڑیوں سے بچاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور مسکین ہی مار اور مسکینوں ہی کے گروہ میں میرا حشر کر۔ جو ظاہر پرست ہیں ان کے لئے دیدار کی حقیقت ناممکن اور محال ہے اور عالم غیب پر یقین و ایمان رکھنے والوں کے لئے مشکل نہیں اگر اللہ چاہے تو۔ ولا یحیطون بشیٔ من علمه الا بماشاء تمام لوگ اللہ کے علم میں کسی شئے کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر! جس قدر اللہ چاہے۔ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے: یقول اللہ عز وجل انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شآء اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اسے چاہئے کہ میرے ساتھ جو گمان رکھے۔ اس لئے کہ اچھے گمان کا اچھا صلہ۔ فبشرو عبادالذین یستمعون القول فیتبعون احسنه ان بندوں کو بشارت دے دیجئے جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں پھر اس میں زیادہ خوبصورت بات کی اتباع کرتے ہیں۔

اگر کسی شخص یا گروہ کو کسی علم پر کمال حاصل ہو اور وہ اُس علم پر دسترس بھی رکھتا ہو تو یہ ضروری نہیں کے اُسے دوسرے علوم پر کمال حاصل ہوگا۔ کیونکہ کوئی بھی انسان جامع صفات یا کامل نہیں ہے سوائے خاتمینؑ کے۔ جیسا کہ اہل عرب باوجود اپنے دعویٰ فصاحت و بلاغت کے اور باوجود اس کے کہ وہ اپنی زبان کو نہایت عمدہ طور پر سمجھتے تھے۔ آیات متشابہات کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی زبان ان کی اپنی زبان تھی۔ مہدیٔ موعودؑ نے فرمایا' ہر شخص خدا کو دیکھتا ہے مگر پہچانتا نہیں دید یا دیدار کی بھی حقیقت ہے کہ آنکھ سے دیکھا جانا ایک ظاہری صفت ہے قلب و نظر کی بصیرت بھی دیدار کے ہم معنی ہے۔ جسے خلیفۃ اللہ تابع تام رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات جیسے تقویٰ' توکل' عزلت از خلق' ترک دنیا' صحبت صادقین' ذکر دوام کے ذریعہ بتایا ہے۔ انہیں تعلیمات سے پیدا شدہ اعمال انسان کی روح اور جسم میں وہی کیمیکل ریاکشن پیدا کرتی ہیں جو دیدار کیلئے ضروری ہیں۔ اگر اس میں کسی کامل و اکمل رہنماء کی رہنمائی نصیب ہو جائے تو یہ مرحلہ اہل ایمان کیلئے یقینی ہے۔ میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم کو خاتمینؑ کے صدقہ میں ہم کو ہدایت فرما اور ہم کو اپنے دیدار سے سرفراز فرما آمین یا رب العلمین

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)

نبیوں کے سلسلے اور عہد فترۃ

حضور نبی کریم ﷺ نے اسلام کا پیغام جس وقت پیش فرمایا روئے زمین پر یہودی، عیسائی کافر مشرک اور بت پرست ہی تھے، مگر وحدانیت رسالت نبوت معرفت خداوندی اصول وآداب زندگی قاعدہ قانون احترام انسانیت تعلیم تحقیق تدریس ارتقاء وایجاد کا دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا، نہ دنیا ان اصطلاحات کو جانتی تھی۔ وحدانیت میں شرک وبت پرستی در آئی تھی رسالت ونبوت یہود ونصاری کی جاگیر بن چکی تھی معرفت خداوندی آواگوان تپسیہ اور خانقاہیت کی نظر ہو چکی تھی تدریس وتحقیق عیسائی پاپاہیت پجاریوں اور بودھ بھکشوں کی میراث تھی ایجادات بت کدوں مندروں گرجاؤں کی تعمیر تک ہی محدود تھی۔ اسلام نے ان تمام طریقوں اور نظریات کی دھجیاں بکھیر کر عالم انسانیت کو مادی وروحانی ترقی کے نئے گوشوں سے روشناس کرایا۔ لیکن دور صحابہؓ اور تابعین کے بعد اسلام میں وہی نظریات وخیالات کا بول بالا ہونے لگا۔ مگر قرآن کے انقلابی پیغام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت مطہرہ کی رہنمائی میں امت مسلمہ کا دینی ودنیاوی سفر جاری رہا۔ مگر روحانی سفر جو انبیاء ومرسلین کی اصل میراث ہے وہ رسوم وبدعات کی نظر ہوتا گیا۔ اس کی وجہ علمائے حق پر علمائے سوٗ کا غلبہ ظلم اور ان کی ریشہ دانیاں اور حکومت میں ان کا عمل دخل تھا۔ اور سب سے بڑی وجہ پیغمبر اسلام سے امت کا دینی وروحانی فاصلہ تھا جو زمانہ کی درازی کی وجہ سے اعمال واعتقاد میں جہول کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ایسا تاریخ انسانی کے ہر دور میں ہوا ہے اس دور ہدایت کے خلاء ودرازئی زمانہ اور نقص ایمان کے دور کو ''عہد فترۃ'' کہا جاتا ہے۔ یہ دور پہلے بھی آچکا ہے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کے دور کو عہد فترہ کہا جاتا ہے کہ جس میں کوئی شریعت یا کتاب نہیں نازل ہوئی جو رہنمائے انسانیت ہو۔ لیکن خاتم الانبیا ﷺ کے بعد کا زمانہ جو چودہ صدیوں پر محیط ہے، اس میں قرآن ہی رہنمائے ہدایت ہے۔ مگر یہاں قال اللہ میں تو نہیں، مگر قال رسول اللہؐ کو علمائے سوٗ کے طبقہ نے اپنی دنیا کی زینت کو سنوارنے کے لئے خوب استعمال کیا اور آج بھی کئے جارہے ہیں۔ اس وقت دنیا میں مذہب اسلام کے ماننے والوں میں کئی فرقے نظریے اور عقاید ہیں ان سبھی کے معلموں رہنماؤں نے اپنے مسلکی عقائدی ونظریاتی بنیاد پر اتنی کتابیں اور مواد لکھ دیا ہے کہ کسی بھی صاحب ایمان کے لئے انہیں پڑھنا سمجھنا اور اس میں حق اور ناحق کی تمیز کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے وقت بنی نوع انسان کے سامنے صرف کفر و شرک کا معاملہ تھا،اس لئے اس وقت حق و باطل کی تمیز آسان تھی جن کو حق کی تلاش تھی انہوں نے راہ حق کا انتخاب کیا اور جو کفر و ذلالت کو اختیار کر چکے تھے وقعر مذلت میں پڑے رہے۔اور اب! قرآن مجید اور پیغمبر اسلام ﷺ کے دین حق کا صحیح انتخاب ہو تو کیسے ہو؟ کیونکہ ہر مسلک فرقہ عقیدہ و جماعت کا دعویٰ ہے کہ صرف اسی کا دین اسلام ہے،اور ایسے دقیق دلایل طویل مباحث مناظرہ و مقابلہ کا نہ ختم ہونے ولا ایک لا متناہی سلسلہ ہے۔ایسے میں ایک عام انسان الجھن کا شکار ہو جاتا ہے اور چارو ناچار ظاہری قد و قال اور چرب زبان مصلحوں و مبلغوں کے ہتے چڑھ کر اپنی دنیا اور دین ایمان و عقیدہ بگاڑ لیتا ہے۔اور جب کوئی مستقل مزاج صاحب ایمان اصل دین حق کی تلاش میں قرآن و احادیث مبارکہ میں تحقیق و جستجو کرتا ہے تو حضرت سردار دو عالم ﷺ اس کی رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مہدیٔ موعودؑ آنے والا ہے اس کی بعثت کا سنو تو اس کی بیت کرو کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ۔وہ میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کریگا،اور دین کو زندہ کریگا اور اللہ تعالیٰ ایک رات اس میں صلاحیت پیدا کریگا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بعثت کو کیوں اتنی اہمیت دی ہے؟ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کے عہد فترہ میں اقوال و اعمال میں جو نقائص ایمانی و بدعات پیدا ہونے والے تھے جیسا کہ انبیاء سابقین کے دور یا عہد فترہ میں ظاہر ہوئے ان سے امت کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اس یقینی آمد کا وعدہ فرماتے ہوئے فرمایا: کیسے ہلاک ہوگی میری امت جس کے اول میں ہوں آخر میں عیسیٰؑ ابن مریمؑ اور درمیان میں میرا فرزند مہدی جو میرے اہل بیت سے ہے،اور درمیان میں ٹیڑھے لوگ ہونگے جو ہم میں سے نہیں ہیں۔جب نبی کریم ﷺ کے اس وعدہ کے مطابق ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو سارا عالم اسلام مفسروں محدثوں مجتہدوں اور مجددوں سے بھرا پڑا نظر آتا ہے اور مشکل یہ ہے کہ ان میں علمائے سوٗ اور زینت دنیا اور حکومت دنیا کے طلب گار عالموں کا شور و غوغا زیادہ ہے انہوں نے علم الکلام اور علم الحدیث میں اپنی علمی موشگافیوں سے فلسفہ و منطق کے ذریعہ وہ تمام طریقے آزمائے ہیں جس سے کہ بندگان خدا کو راہ حق سے ہٹا کر ان کے اپنے بنائے ہوئے اصولوں اور طریقوں پر لگایا جائے اس طرح ساری امت مسلمہ کو فریب اور دھوکہ میں ڈالدیا ہے اس لئے علمائے حق کی بات کوئی سننے کو تیار نہیں۔اور عالموں کے بارے میں کوئی یقینی تاکید بھی حضورؐ نے نہیں فرمائی ہے۔ہاں مگر یہ ضرور فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے مقام پر ہیں' اہل حق کا کثیر طبقہ یہ مانتا ہے کہ یہ وہ علمائے حق ہیں جو

اولیاء کے مقام پر فائز کیئے گیے تھے۔اور جب تلاش حق کے لئے شارع عالم ﷺ کے مبشر ہادی مہدی خلیفہ کی تلاش کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی جھوٹے مدعیان مہدی نے طلب دنیا حکومت دنیا کے لئے امت مسلمہ کے دینی وشرعی امور کے استحصال کا ذریعہ بنانے کی کوششیں کیں ہیں۔مگر مہدیٔ موعود علیہ السلام کے مقام ومرتبہ اور اس بعثت کے تقدس واحترام پر اگر کوئی ذات پوری اترتی ہے تو وہ حضرت سید محمد جونپوری مہدیٔ موعود ہیں۔جنہوں نے اللہ کے حکم سے قرآن اور شریعت محمدیہ کی بنیاد پر دعویٰ مہدیت کیا ہے۔اور اس دعویٰ کا مثبت پہلو یہ ہے کہ آپؑ نے نہ قرآنی احکام کے بیان میں کوئی تغیر وتبدل کیا جو کہ نص قرآن کی بنیاد کے مخالف ہو اور نہ ہی شریعت محمدیہ ﷺ کی بنیاد کی اصل میثاق کو موافق و مخالف بنا کر پیش کیا اور نہ تحریر وکلام کا کوئی ایسا قول وعمل چھوڑا جو قرآن وشریعت کے احکام وبیان سے ٹکرائے۔اور ان کے دعویٰ کے حق ہونے پر ان کے پیرو ہی نہیں غیر مہدوی علماء نے بھی شہادت دی کہ جو قول وعمل حضور ﷺ کے ہاں اصالتاً تھا وہ ان کے ہاں اتباعاً تھا۔اور حق وہی حق ہے جس کی گواہی معاندین ومخالفین دیں۔

انسان حیلے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے بچنے بچانے،من مانی کرنے نافرمانی حکم عدولی کرنے رسم وبدعت اختیار کرنے شرک وکفر کرنے کیلئے۔اپنے نفس کی تسکین کی راہ جہاں بھی دکھائی دیتی ہے اس کی طرف بے اختیار دوڑ پڑتا ہے۔انسان مانتا ہے کہ کوئی طاقت ہے جو اس کائنات کا نظم ونسق چلارہی ہے چاروناچار وہ اسکی اطاعت پر راضی ہوتا ہے،مرضی سے یا مجبوری سے حتی کے دہریے اور ملحد (atheist) جو خدا کے وجود کے منکر ہیں،وہ بھی تابعداری اور اطاعت پر مجبور ہیں کیونکہ ان کے لاشعور میں بھی ایک ان دیکھی قوت دنیا کا نظام چلارہی ہے۔یہی احساس انسان کو دوسرے حیوانات میں اسے معروف ومعزز سمجھنے کا سبب ہے۔اسی امید اور خوف میں وہ منظم ومنتظم ہونے پر مجبور ہے۔یہی مجبوری اسے دنیائی قوانین پر چلنے زمین پر فساد نہ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔انسانی فطرت میں بغاوت اور نافرمانی کا عنصر شامل ہے۔پہلے گروہ وقبائل ہوا کرتے تھے،پھر حکمران بنے ریاستیں حکومتیں بنیں وطن اور ملک بنے اور اب بین الاقوامی ادارے ہیں مگر ایک دوسرے کا قانون ماننے کو تیار نہیں ہر ایک کی اپنی طلب اپنا مقصد اپنا مزاج اپنی ضرورتیں اور برتری یہی اوصاف ایک دوسرے سے مقابلہ آرائی اور فساد کی وجہ ہیں۔اسی انسانی فطرت کے غیر فطری اور غیر انسانی ارادوں کو قابو میں رکھنے کے لئے خالق نے انبیاء مرسلین اور پیغمبروں اور اس کے احکام یا شریعتوں کو نافذ کرنے والے اللہ کے خلیفوں کے سلسلوں کو مسلسل جاری کیے رکھا۔

''اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی (سورہ عمران ۸۱)
بات صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی نہ صرف تصدیق کریں گے بلکہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں گے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ آپ حق کے ساتھ اور سراپا رسولوں کی تصدیق بن کر آئے ہیں (الصفت ۳۷) اور اس سے پہلے عیسیٰؑ سے کہلوایا کہ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے اور جنکا نام احمد ہوگا. (الصف ۶)

اللہ تعالیٰ کے ان احکامات اور تنبیہ کے باوجود انسانوں کا معاملہ دنیا میں کچھ الگ ہی رہا. ہر قوم اور زمانے کے ہر دور میں رہبروں مصلحوں نبیوں رسولوں کو مبعوث کئے جانے کے بعد بھی مخلوق انسان راہ مستقیم سے ہٹتی گئی۔آخری تنزیل قرآن مجید میں پیغمبر آخرالزماں ﷺ کو بتاتا ہے کہ پھر ہم نے مسلسل رسول بھیجے جب جب کوئی رسول کسی اُمت کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی (مومنون ۴۴) یوں ہی ہوتا رہا ہے ان سے پہلے کی قوموں کے پاس کوئی بھی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون ہے . کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کرلیا ہے 'بلکہ یہ سب سرکش ہیں (الذریات ۵۲۔۵۳) ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یوشعؑ بن نون کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل نے شریعت کی پابندی چھوڑ دی' اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے احتراز کرنے لگے۔اور بعد میں انہوں نے بت پرستی اختیار کرلی۔طبری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام سے کہا کہ بنی اسرائیل اپنی نافرمانی اور سرکشی کے عوض آپ ان کے لیئے تین میں سے کوئی ایک سزا تجویز کرلیں (۱) تین برس کا قحط (۲) تین مہینے دشمنوں سے زیر رہنا (۳) تین روز تک ناگہاں موت میں گرفتار رہنا۔داوٗدؑ نے تین دنوں کی موت تجویز کی اس اثناء میں اتنے بنی اسرئیل لقمہ اجل بنے کہ داوٗدؑ نے گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اس دعا کو رد کرنے کی سفارش کی جو قبول ہوئی۔داوٗد علیہ السلام صاحب شریعت نہ تھے بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے اسی کی خلق اللہ کو تعلیم دیتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر زبور نازل کی تھی۔

عیسیٰؑ بھی شریعت موسوی کے پابند تھے ان پر انجیل نازل ہوئی تھی۔اس شریعت میں چور کے ہاتھ کاٹنا' مفتری پر دُرے لگانا' زانی پر سو دُرے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا تھا یہی احکام شریعت مصطفیٰ ﷺ میں بھی جاری رکھے گئے جو انبیاء کے سلسلے کے ثبوت کی اہم کڑی ہے۔حالانکہ عہد فترۃ کے کئی زمانے گزر چکے تھے۔اُمت کی اصلاح کرتے رہنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر ایک دوسرے کی تصدیق بھی کرتے رہنا ،کیوں؟

امتوں سے پہلے ان امتوں کے انبیاء سے عہد لیا جا چکا ہے کہ جس قوم و خطہ ارض میں نبی مبعوث کیا جائے وہ خود اس بات کی شہادت دیں کہ میں پہلے گزر چکے انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مانتا ہوں, اس کے بعد اپنی امت کو دعوت دے کہ میں بھی اسی سلسلے کی کڑی ہوں,تم نہ صرف میرا اقرار کرو بلکہ پہلے جو گزر چکے ہیں ان کا بھی اقرار کرو۔کیونکہ ہر نبی ورسول اللہ تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے ،اُس کی ذات میں شرک و کفر نہ کرنے ،سرکشی و بغاوت نہ کرنے کی ہی تعلیم دیتا آیا ہے۔ان کے درمیان کا رابطہ اللہ کے خالق کُل قادر مطلق ہونے کی ہی تعلیم پر مبنی ہے، جس میں انسانوں کی سرکشی نا قابل معافی گناہ ہے۔

امتوں یا انسانوں کے تین طبقے ہوتے ہیں,ایک اللہ کے نبیوں کی بات مان لیتا ہے دوسرا اشش و پنج میں مبتلاء ہوتا کہ مانوں یا نہ مانوں اگر مانوں تو کیوں مانوں ,تیسرا گروہ انکار کرتا ہے۔اس لئے انسانوں کے گروہوں کا شہادت دینا نہ دینا تصدیق کرنا نہ کرنا ان کے نفس اور مرضی پر ہوتا ہے ,وہ اپنے نفس کے تابع ہوتے ہیں ان کا نفس جسے اجازت دے مانتے ہیں اور جسے انکار کرے نہیں مانتے۔جبکہ پیغمبروں کی تصدیق حکم خداوندی کے تحت ہوا کرتی ہے اور پیغمبروں کو ایک دوسرے کی تصدیق اس لئے کرنا ہے کیونکہ وہی اللہ کی جانب سے منتخب اور مبعوث کئے ہوے ہوتے ہیں,وہی شہادت دے سکتے ہیں کہ کون نبی ہے اور کون امتی اور جو پیغام انہوں نے پہنچایا ہے وہ اللہ کے کہنے کی وجہ سے ہی پہنچایا ہے۔شواہد النبوہ میں حضرت جامیؒ نے لکھا ہے کہ' سابقہ امتوں کی قابلیت و استعداد میں اختلاف شریعتوں کے اختلاف کا مقتضی ہے اور اس پر اجماع امت ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام انسانوں سے افضل ہیں اور کوئی غیر مامور من اللہ یعنی کسی ولی اور صدیق ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا خواہ کتنا ہی بلند پایہ وقوی مایہ نہ ہو۔

اکثر انبیاء اپنے سے ''پہلے گزر چکے'' انبیاء و مرسلین ہی کی تصدیق کیا کرتے تھے ,لیکن سلسلہ انبیاء میں اللہ کے خلیفوں میں صرف دو ہستیاں ہیں جن کے مبعوث ہونے سے ''پہلے'' ان کی تصدیق و تقدیس کرائی گئی ,ایک کی تصدیق پچھلے انبیاء نے کی وہ ہیں سردار دو جہاں خاتم الانبیا ﷺ اور دوسرے کی

تصدیق خود خاتم الانبیاء سے کرائی گئی وہ ہیں مہدیؑ موعود آخر الزماں اللہ کا خلیفہ مہدیؑ موعود آنے والا ہے جب اس کی بعثت کا سنو تو اس کی بیعت کرو۔ جیسا کہ دیگر انبیاء علیہ السلام کی سنت تھی حضور ﷺ نے بھی دین حنیف کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ دین ابراہیم کی مدد بھی کی ،مذہب اسلام کے احوال احکام اور عبادات کا بڑا حصہ دین ابراہیم سے منسلک و منقبض ہے۔ اور حضور ﷺ کا مقام کیا ہے اس حدیث سے ظاہر ہے: حضرت عریاض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا نام اس وقت خاتم النبین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم ابھی بے روح جسم خاکی میں تھے۔ میں تمہیں ابتدائے حال کی خبر دیتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیم کی دعا "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے ان (اپنوں) میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں پڑھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے میرے متعلق خوشخبری و بشارت یوں دی ہے: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (شواہد النبوہ ۳۰) اور دیگر انبیاء کا بھی یہی حال ہے اور سب سے آخر میں تابع تام رسول اللہ خلیفتہ اللہ نے بھی یہی کیا ہے "میرا مذہب اللہ کی کتاب (قرآن) اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔" ایک دوسرے کی تصدیق کرتے رہنا اتباع کرتے رہنا اللہ کے خلیفوں کی سنت رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کے عہد فترۃ کے بعد دعویٰ مہدیت کے جتنے دعوے دار ہوئے انہوں نے ملک وملت جاہ وحشمت حکمرانی اور اُمت رسول ﷺ کے دینی و دنیاوی استحصال کے لئے دعوے کئے' صرف سید محمد جونپوری مہدی موعود آخر الزماں خلیفتہ الرحمٰن علیہ السلام نے جو دعویٰ کیا وہ ہی حق ہے اور آپ ہی نے اللہ کی کتاب اور محمد عربی ﷺ کی اتباع کی بات کہی ہے اور اپنے عمل سے ثابت بھی کیا ہے۔

منشائے الٰہی کے تحت کبھی کبھی ان سلسلوں میں توقف (Break, Gap) رہا اور اصلاح امت کا معاملہ کچھ عرصہ کے لئے دھیما رہا۔ یہی وہ وقت اور زمانہ ہے کہ انسان بے لگام اور بے باک ہو جاتا ہے ,اور وہ تمام اعمال اختیار کر لیتا ہے جو شرع و احکام خداوندی میں غلط اور ناجائز مانے جاتے ہیں اور اس خدائی احکام کے توقف کے دور کو "فترۃ" کہتے ہیں جس کے معنی سلسلہ کا ٹوٹ جانا, علماء نے عہدہ فترۃ موسیٰ اور عیسیٰؑ کے درمیانی دور کو کہا ہے جس میں صرف ایک نبی حضرت شمعونؑ تھے۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ آل ابراہیم بنی اسحاق میں کئی انبیاء آئے ہیں لیکن علماء نے موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے درمیانی دور کو عہد فترۃ کہا ہے تو کن معنوں میں؟؟ اگر تاریخ انبیاء و احوال انبیاء کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے درمیان

کے عرصے کے بعد نبی رسول مبعوث ہوا کرتے تو تھے مگر! پھر ان کے بعد بنی اسرائیل سرکشی و بے دینی کا شکار ہو جاتے۔ حالانکہ انہیں کتابیں نبی رسول احکام شریعتیں دی گئیں۔ مگر! آل اسماعیل میں ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی رسول آیا ہی نہیں۔ ان میں زمانے کی درازی اور عہد فترۃ کے باوجود ان کی جہالت کی وجہ سے شرک و بت پرستی تو آئی لیکن یہود و نصاری کی طرح سرکشی اور بے دینی کا وہ نظارہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جس کسی قوم کو احکام اور کتاب دی گئی اس نے سرکشی حجت اور کفر و بے دینی کا راستہ ضرور اختیار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ م بَعْدِمَا جَآئَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ جو اہل کتاب تھے وہ واضح دلیل آنے کے بعد ہی انہوں نے دین میں تفرقہ کیا۔ یہ حال زمانے کے ہر دور میں رہا اہل اسلام نے صحابہؓ ائمہ و صالحین کے بعد علمائے سو کے طبقہ نے علم و عمل کی وہ تفرقہ بازی کی ہے کہ خدا کی پناہ انہوں نے امت رسول عربی ﷺ کے دین و ایمان کی ایسی تفرقہ بازی کی ہے کہ یہود و نصاری کی کارستانیاں ان کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ اور آج تو یہ تفرقہ بازی اپنی انتہاء پر ہے۔ جس طرح یہود و نصاری نے نبی آخرالزماں کی تلاش میں مدینہ جا کر اعمال افعال عقیدہ و ایمان کی جو خرابیاں حجاز میں منتقل کیں ایسا ہی اہل اسلام دنیا میں اسلام کے متعلق بدعقیدگی پھیلا رہے ہیں۔ اگر بنی اسحاق ایک طرف اور بنی اسماعیل کو دوسری جانب کر دیں تو صاف نظر آتا ہے کہ بنی اسحاق میں اتنے نبی و رسول آنے کے بعد بھی ان کی سرکشی بغاوت ذلالت تفرقہ ان کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ مگر جو عہد فترۃ ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کے بعد رہا اہل حجاز یا اہل عرب نے اس میں صرف مشرکانہ رسم و بدعت کو اختیار کیا جو ان کی جہالت کے سبب تھا جبکہ علم اور عالموں کی کثرت نے یہود و نصاری کو اپنے ایمان و عقیدہ میں جو بگاڑ پیدا کیا اسی طرح اسلام کے علمائے سو یہ طائفے یہ جماعتیں یہ وہابیہ گروہ کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے درمیان لگ بھگ دو سو 200 سال کا عرصہ ہے، حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان لگ بھگ 14 یا 15 سو سال کا عرصہ ہے، اگر ہم فرض کر لیں حضرت شمعونؑ یا کوئی اور نبی اس درمیان مبعوث ہوئے ہیں تو 5 سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ اس میں ساقط کر دیں، تو باقی ہزار 1000 یا نو 900 سو سال رہ گئے۔ اور کچھ علماء نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان کے پانچ سو ستر 570 سالہ دور کو بھی عہد فترہ کہا ہے، اب حساب جوڑیں موسیٰؑ سے عیسیٰؑ تک 14 یا 15 سو سال عیسیٰؑ سے محمدؐ تک کے 570 سال کو حضور ﷺ کے فرمان نویں صدی ہجری یا 900 کو جوڑیں 1470 ہوئے۔ یعنی موسیٰؑ سے عیسیٰؑ تک کی چودہ یا پندرہ صدیاں عیسیٰؑ اور مہدی موعود

آخرالزماں تک کی چودہ یا پندرہ صدیوں کے درمیان حضور ﷺ ہیں۔ اور حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے "کیسے ہلاک ہوگی میری امت جس کے اول میں ہوں درمیان میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ" عام طور پہ یہی مانا جائے گا کہ حضور خود کے اور عیسیٰ کے درمیانی دور کی بات بتا رہے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کے حساب کے تجزیے سے موسیٰ آخر میں عیسیٰ کے درمیان میں تو حضور ہیں، یہاں درمیان میں حضور ﷺ کس طرح؟ معلوم ہوا کہ یہ صدیوں کا عہد فترۃ کا فاصلہ یہ حساب کتاب بھی دیگر انبیاء وخلیفتہ اللہ کے لئے ہے حضور ﷺ کی نبوت ازل سے ہے کُنْتُ نَبِیًا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْن "میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور گارے میں تھے" یعنی تمام انبیاء اور امتیں درمیان میں ہوئے اور مہدیٔ موعودؑ بھی اسی درمیاں میں ہوئے اور عیسیٰؑ آخر میں ہوئے۔ چونکہ سلسلہ نبوت کی ابتداء نور محمدؐ سے ہے اور اختتام بھی آپؐ کے جسد عنصری کی بعثت پر ہوئی اسی نبوت کے تسلسل کی آخری کڑی، وہ عیسیٰؑ ہیں جو پہلے نبی رہ چکے ہیں اور لوازمات خلافتہ اللہ کے اہل وہی ہوسکتے ہیں جنہیں اس مقام ومرتبہ کی ذمہ داری کا پورا احساس ہے۔ وہ قیامت تک کے لئے ہے، یہی وہ غایبانہ نبوت الہیہ ہے جس کی نمائندگی ہر نبی و رسول نے کی ہے اور مہدیٔ وعیسیٰ تک ہوتی رہے گی۔ "جب عیسیٰ آخر زمانے میں نازل ہونگے تو حضورؐ کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے، اور مروجہ احکام کے تقاضا کے تحت وہ شراب وخنزیر کو حرام سمجھیں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔ اور حضور ﷺ عالم شہادت میں خاتم النبین تھے لیکن عالم غیب میں ان سب سے اول تھے جیسے کہ حضورؐ نے خود فرمایا کُنْتُ نَبِیًا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْن ..... تمام شریعتیں حضورؐ کی شریعتیں ہیں جو آپؐ کے نائبوں کے ذریعہ خلق خدا تک پہنچی ہیں۔ جب حضورؐ جسد عنصری میں ظاہر ہوئے تو آپؐ نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کردیا۔ (حضرت جامیؒ) یہ وقت اور صدیوں کا فاصلہ ظاہری نبوت کے اظہار کے لئے ہے۔ اسی لئے ابراہیمؑ اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ میری اولاد میں امام بنا، عیسیٰؑ نے کہا کہ میرے بعد "احمد" آنے والے ہیں۔ اور حضور ﷺ نے کہا کہ میرے بعد بھی امت کو ہلاکت سے بچانے مہدی وعیسیٰ آنے والے ہیں۔ یعنی بہ فرض محال آپ کے بعد مہدیٔ کی بعثت 900 نوسو سال مان لیں تو کیا یہ محض اتفاق ہے یا وہی ترتیب ہے جو عیسیٰؑ کے پہلے اور بعد کے عہد فترۃ میں ہے یعنی 9 صدی عیسوی قبل مسیح شمعونؑ اور 9 صدی ہجری بعد مہدی ہیں، یہ محض ایک قیاس ہے یا اتفاق؟ بقول شخصے ایک معجزہ ہے ترتیب عناصر کا ظہور۔ موسیٰؑ اور عیسیٰ کے دور فترۃ کے بجائے ہم محمد ﷺ حضرت عیسیٰؑ کے دور فترۃ میں دیکھتے ہیں تو درمیان میں مہدیٔ موعودؑ ہیں، جیسا کے موسیٰؑ وعیسیٰ کے درمیان شمعونؑ ہیں۔

حضورﷺ کے دور فترۃ کے پہلے بھی عیسیٰؑ ہوئے ہیں اور بعد میں بھی عیسیٰؑ ہی ہیں۔ اس کا ایک متحیر کن اور عجب پہلو یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پہلے بھی قدرتی اسباب کے تحت معجزاتی طور پر ہوئی تھی اور اب مبعوث ہونگے تو بھی قدرتی اسباب کے تحت ہی ہونگے یعنی آسمانوں سے اتارے جائیں گے۔ اس عدیم المثال انسانی بعثت کے مغائر میں عیسیٰؑ کے معجزاتی نزول کے درمیان خاتم النبین کا نزول اجلال ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ پہلے اور بعد کا دور فترۃ بڑا ہنگامہ خیز حقیقتوں کا گواہ ہوا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ حضورﷺ سے پہلے ہر نبی پیغمبر و رسول کی تبلیغ اصلاح و ہدایت اور ان کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کی اُمتوں نے سرکشی ناشکری اور بت پرستی غرور و تکبر کا طریقہ اپنایا' یہود کو تو بہتان طرازی حیلہ سازی انبیاء کو قتل کرنے سود خوری میں ملکہ حاصل رہا۔ اور دوسری قوموں کے تئیں ان کا حسد بغض بخیلی جادوگری فریب دھوکہ انکی قومی روایت کا حصہ ہے۔ اور نصاریٰ نے شرک کی ایسی مثال قایم کی کہ خدا کی بیوی اور بیٹا بنالیا اور اس کے بعد بھی تسلی نہ ہوئی تو پوپ کو خدائی احکامات کا اختیار دے دیا اس طرح ان پادریوں نے شراب زناء سود خوری حرام خوری کو جائز قرار دے دیا اور یہاں تک کہ گناہوں سے معافی اور جہنم سے آزادی کے پروانے تک دیدیتے ہیں' کفار و مشرکین ملحدین و دہریہ کی بات ہی کیا وہ خود کو اہل کتاب بھی نہیں کہتے۔ یہ حضورﷺ کے عہد فترۃ کے پہلے کے ادوار کا حال ہے۔ حضورﷺ کے بعد ایک تحریک اور ہلچل ہوجاتی ہے کہ اچانک ترقی پسندی کے افکار و اعمال کا سیل رواں بہنے لگ جاتا ہے۔ تاریخ پڑھ کر دیکھیے کبھی قومیں روحوں بھوتوں پریتوں چاند ستاروں سے ڈرے، سہمے بیٹھے ہوئے تھے ,عیسائیوں نے پادریوں کی غلامی کے طوق کا سلیب اپنے گلے میں ڈال لیا اور یہودیوں نے اپنی معلومات اور علم کا سنہرا جال اپنے اطراف بنالیا تھا۔ کچھ بات تھی تعلیمات اسلام میں جیسے ہی اسلام نے دنیا میں پیش قدمی کی سبھی قومیں ملک خطے اور نسلیں اور ذاتوں نے اسلام سے آگے دوڑنے کو اپنا مقصد حیات بنالیا۔ بعد جن فرقوں نے اسلام میں بے دینی و بداعتقادی کی شروعات کی ان کی ایک لمبی فہرست حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں بتائی ہے ان کے اعتقادات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے ان میں چند یہ ہیں خوارج ,رافضہ ,مرجیہ ,جہمیہ ,صالحیہ ,شمریہ ,کرامیہ ,معتزلہ ,نجاریہ ,کلابیہ سالمیہ و دیگر ہیں۔ ان کے عقائد سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام وایمان سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں تھا دین میں بگاڑ ان کا اصل مقصد تھا ,ان کے عقائد کو آج معلوم کرنا ہو تو آج کئی نئے مسالک ہیں ان کے عقاید کی تحقیق کرلیں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا جنہوں نے اسلام میں تحقیق تجدید و فلسفہ سے بیدینی کو بڑھاوا دیا

ان کے نام: الکندی, فارابی, بوعلی سینا, ابومعشر, ابوالوفا, البیرونی, ابن حیان, زکریا رازی, اخوان الصفا, ناصر خسرو, ابن حزم, العامری, ابن مسقویہ وغیرہ ہیں۔ ان سبھوں نے الکمی کا سالوجی, علم نجوم؛ عقیدہ عقل اجرام فلکی, کلام, میٹافزکس, سایکولوجی, فلسفہ اور دیگر علوم کو ان لوگوں نے اسلامی شریعت سے جوڑنے اس کا حصہ بنانے اس میں مدغم کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن علمائے حق کا گروہ ان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ اور دوسری قومیں؟ ان کا مطمع نظر تو دنیا ہی تھا انہوں نے اسلام کے دوسرے گروہ کی تعلیم و عقیدے کو اپنا لیا۔ وہ ایک ہی سمت میں آگے بڑتی چلی گئیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان حکرانوں جیسے عباسی, اندلسی, سلاطین غرناطہ و قسطنطین, بازنطین مصر فارس تہامہ حجاز قرطبہ بغداد بصرہ کے مدرسوں میں یوروپی عیسائی یہودی ہندی چینی سمرقندی رومی اسپینی طلباء کو درس دینے کے لئے نامور اسلامی سائنس اور ریاضی دانوں کے نام ملتے ہیں۔ موجودہ سائنس اور یوروپ وامریکہ کی نامور یونیورسٹیاں الحثم یاالحازم کو دنیا کا پہلا حقیقی سائنس دان مانتی ہے جس نے سب سے پہلے کسی بھی قسم کی طاقت کو ناپنے کا طریقہ ایجاد کیا خصوصاً روشنی کو جانچنے پرکھنے اور اس کی طاقت کا اندازہ لگانے کے طریقے بتائے اسی بنیاد پر دس صدیوں بعد گیلیلیو Gallelio نے ٹیلیسکوپ اور بعد میں Spectometer ایجاد کیا گیا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے بعد دنیا میں وہ سب چیزیں وجود میں آئیں جو پہلے کے انسانوں نے نہ سنی نہ دیکھی تھیں یعنی حضور ﷺ کو ایسی امت میں مبعوث کیا گیا ہے جو دنیا کی عقل مندترین ترقی پذیر ہے۔

ابن خلدون نے عیسٰی علیہ السلام کے واقعات میں لکھا ہے کہ: عیسائیوں کا عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ جب یہودیوں نے عیسیٰؑ کے ہم شکل کو صلیب پر چڑھا دیا سات دن تک ایسے ہی رکھا۔ حضرت مریمؑ روتی ہوئی صلیب کے پاس آئیں عیسیٰؑ بھی وہاں آئے یعنی وہ حاضر باش ہوئے کیونکہ وہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے تھے اور رونے کا سبب دریافت کیا, مریمؑ نے کہا کہ مجھے تمہاری حالت پر رونا آیا, عیسیٰؑ نے جواب میں کہا کہ اس شخص کے ہم شکل ہونے کی وجہ (صلیب پر لٹکے ہوئے شخص کی طرف اشارہ) سے سب کو دھوکہ ہوا ہے, اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمانوں پر اٹھالیا مجھے مطلقاً کوئی تکلیف نہیں پہنچی اس لئے ان لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ مجھے صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ مگر آپ (مریمؑ) سے کہا کہ میرے حواریوں کو فلاں مقام پر ملنے کے لئے فرمادیجیے۔ چنانچہ جب حواریان مسیح معینہ مقام پر عیسیٰؑ سے ملنے گئے تو آپ کی روح حاضر ہوئی اور ان سب کو تمام اطراف میں پھیل کر احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے کو کہا۔ پطرس (Peter) کو روم کی جانب, پولوس کو سوڈان و حبشہ (Ethopia) کی جانب متی باجدار اور

ان کے نام: الکندی، فارابی، بوعلی سینا، ابومعشر، ابو وفا، البیرونی، ابن حیان، زکریا رازی، اخوان الصفا، ناصر خسرو، ابن حزم، العامری ابن مسقویہ وغیرہ ہیں۔ ان سبھوں نے الکمی کا سالوجی، علم نجوم؛ عقیدہ عقل اجرام فلکی، کلام، میٹافزکس، سایکولوجی، فلسفہ اور دیگر علوم کو ان لوگوں نے اسلامی شریعت سے جوڑنے اس کا حصہ بنانے اس میں مدغم کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن علمائے حق کا گروہ ان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ اور دوسری قومیں؟ ان کا مطمع نظر تو دنیا ہی تھا، انہوں نے اسلام کے دوسرے گروہ کی تعلیم و عقیدے کو اپنا لیا۔ وہ ایک ہی سمت میں آگے بڑتی چلی گئیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان حکرانوں جیسے عباسی، اندلسی، سلاطین غرناطہ و قسطنطین، بازنطین مصر فارس تہامہ حجاز قرطبہ بغداد بصرہ کے مدرسوں میں یوروپی عیسائی یہودی ہندی چینی سمرقندی رومی اسپینی طلباء کو درس دینے کے لئے نامور اسلامی سائنس اور ریاضی دانوں کے نام ملتے ہیں۔ موجودہ سائنس اور یوروپ وامریکہ کی نامور یونیورسٹیاں الحسن یا الحازم کو دنیا کا پہلا حقیقی سائنس دان مانتی ہے جس نے سب سے پہلے کسی بھی قسم کی طاقت کو ناپنے کا طریقہ ایجاد کیا خصوصا روشنی کو جانچنے پرکھنے اور اس کی طاقت کا اندازہ لگانے کے طریقے بتائے اسی بنیاد پر دس صدیوں بعد گیلیلیو Gallelio نے ٹیلیسکوپ اور بعد میں Spectometer ایجاد کیا گیا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے بعد دنیا میں وہ سب چیزیں وجود میں آئیں جو پہلے کے انسانوں نے نہ سنی نہ دیکھی تھیں یعنی حضورﷺ کو ایسی امت میں مبعوث کیا گیا ہے جو دنیا کی عقل مندترین ترقی پذیر ہے۔

ابن خلدون نے عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں لکھا ہے کہ: عیسائیوں کا عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنے کی وجہ یہ تھی کہ جب یہودیوں نے عیسیٰؑ کے ہم شکل کو صلیب پر چڑھا دیا سات دن تک ایسے ہی رکھا۔ حضرتہ مریمؑ روتی ہوئی صلیب کے پاس آئیں عیسیٰؑ بھی وہاں آئے یعنی وہ حاضر باش ہوئے کیونکہ وہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے تھے اور رونے کا سبب دریافت کیا، مریمؑ نے کہا کہ مجھے تمہاری حالت پر رونا آیا، عیسیٰؑ نے جواب میں کہا کہ اس شخص کے ہم شکل ہونے کی وجہ (صلیب پر لٹکے ہوئے شخص کی طرف اشارہ) سے سب کو دھوکہ ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمانوں پر اٹھالیا مجھے مطلقاً کوئی تکلیف نہیں پہنچی اس لئے ان لوگوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ مجھے صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ مگر آپ (مریمؑ) سے کہا کہ میرے حواریوں کو فلاں مقام پر ملنے کے لئے فرمادیجیے۔ چنانچہ جب حواریان مسیح معینہ مقام پر عیسیٰؑ سے ملنے گئے تو آپ کی روح حاضر ہوئی اور ان سب کو تمام اطراف میں پھیل کر احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے کو کہا۔ پطرس (Peter) کو روم کی جانب، پولوس کو سوڈان وحبشہ (Ethopia) کی جانب متی باجدار اور

اندراوس کو بابل (شام واعرق) کی جانب توما کو افریقہ کی جانب فیلس اور افوسس کو قریہ اصحاب کہف کی جانب یوحنا کو حجاز کی طرف جانے کو کہا۔ وہاں جانے کے عرصہ بعد پولس اور پطرس نے رومی زبان میں انجیل لکھی اور اپنے شاگرد مرقس کو منسوب کیا متی نے عبرانی میں انجیل لکھی اور بیت المقدس میں یوحنا اور لوقا نے رومی زبان میں انجیل لکھی۔

حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مان لینے میں جو غلط فہمیاں عیسائیوں میں پیدا ہوئیں وہ اس لئے کہ انہیں آسمان پر اٹھالئے جانے اور عیسیٰؑ کے ہم شکل کو صلیب پر چڑھانے کے بعد عیسیٰؑ کا حضرت بی بی مریمؑ کے ذریعہ ان حواریوں کو بلا کر ان سے ملاقات کرنا اور تبلیغ کروانا بھی ایک وجہ رہی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ اس زمانے کے لحاظ سے بڑا محیر العقل تھا، اور اس سے پہلے عیسیٰؑ نے اپنی حیات میں کوڑیوں کو شفایاب کیا اندھوں کو بینا کیا مردوں کو زندہ کیا تھا لوگ ایسی کسی حالت سے پہلے واقف نہیں تھے پہلے ہی ایسے معاملات نے حواریوں کو متحیر کر دیا تھا، اور اس کے علاوہ انجیل کے انداز بیان میں انہیں تعجب خیز باتوں کی وجہ سے وہ مغالطے میں آگئے اور انجیل تحریر کرتے وقت انہوں نے اسی حیرانی میں انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا اور من مانی تحیرات اور تخیلات کو انجیل کا حصہ بنا دیا۔ اور جس فارقلیط کے آنے کی پیشین گوئی ہوئی تھی اس کو خود عیسیٰؑ پر محمول کر لیا اور گمراہی میں پڑھے گئے صحابہؓ، تابعین محدثین، اور اولیائے کاملین کے بعد علمائے حق کو دین وایمان کے نام پر مسلمانوں میں بے دینی و بدعقیدگی پھیلانے والے کچھ انتہائی بدبخت شاطر، شریر اور خودغرض علمائے سوء سے نبرد آزما ہونا پڑا، جنہوں نے دین وایمان کے نام پر امت مسلمہ کے استحصال کو اپنی زندگی کا مقصد زندگی بنالیا، اور ایمان وعقیدہ کو بگاڑنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ رسوم وبدعات کے ذریعہ وہ امت کے سیدھے سادھے لوگوں کو بیوقوف بنا کر دھوکہ دیتے اس کے لئے من گھڑت واقعات اور روایتیں گھڑ کے اپنی خانقاہیں بنوا کر حکمرانوں بادشاہوں کے درباروں میں اثر ورسوخ پیدا کرتے جس کے ذریعہ ان کا مقصد دولت کمانا اور حکومت میں داخل ہو کر اپنی بے دینی اور غیر اسلامی تعلیمات کو دین کا نام دے کر مذہبی امور میں بگاڑ پیدا کرنا ہوتا اس کے لئے ان کا کارگر حربہ ان کے بے اصل فتوے ہوتے تھے کئی ایسے تھے وہ اسی لئے علم حاصل کرتے کے انہیں لوگ محدث مفسر اور دینی عالم جانیں اور بعد میں خود انہوں نے امیر المومنین اور خلیفہ ہونے کا دعویٰ بھی کیا اور اپنا اثر ورسوخ مزید مستحکم کرنے کے لئے اپنے عقیدے اور طریقوں کے مدرسوں کا جال بچھایا تا کہ قرآن وحدیث کی تعلیم کے نام پر اپنے بدعقیدگی پھیلائیں۔ لہذ ہم دیکھتے ہیں کہ طالب دنیا کی بات ہی کیا جو خود کو طالب حق کہتے ہیں وہ

بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اطاعت رسول کے بہانے انتہائی خود غرضی سے امت مسلمہ کو راہِ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔ان پر دنیا اتنی حاوی ہوتی ہے کہ بندگان خدا کو عقائدی اور جماعتی غلام بنا دیا جاتا ہے اسی دینی بے راہ روی کے دور کو عہد فترۃ کہتے ہیں۔وہ اسی عہد فترۃ کو قرآن بیان کرتا ہے۔سورۂ مائیدہ کی ۱۹ ویں آیت یوں ہے۔''عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ پس تمہارے پاس ہمارے رسول آئے ہیں نبیوں کا سلسلہ ٹوٹ جانے کے بعد''فترہ کہتے ہیں کسی چیز کا دھیما ہو جانا سست ہو جانا کسی چیز کے چلتے چلتے رک جانے کو فترۃ الشیٔ کہتے ہیں'' یہ اسم فعل مصدر ہے،کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا۔سوال یہ ہے کہ آخر یہ عہد فترۃ کیوں ہے کیوں یہ Gap یا Break رکھا گیا اس کے لئے ہمیں دیکھنا پڑیگا کہ ابلیس اللہ سے وعدہ کر کے آیا ہے کہ میں تیرے بندوں کو بہکاوں گا!اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے کہا تھا کہ میرے خاص بندے تیرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ بغیر کسی نبی ورسول کی ہدایت کے اس دور فترہ میں کون ابلیس کے بہکاوے میں آتا ہے اور کون خدا کا وفادار رہتا ہے۔الانسان یا الناس یہ دنیا انسان کی آزمائش کا مقام ہے یہیں سے سزا و جزاء کا معاملہ حشر کے دن ہونا ہے۔

کچھ حقیقتوں کو جاننے کے لئے کچھ نہ معلوم حالتوں کا جائیزہ ضروری ہوتا ہے طوفان نوح کے بعد آدمؑ کی اولاد میں نوح کے ساتھ کشتی میں صرف ستر یا اسی افراد زندہ بچے،ان میں نوحؑ کے تین بیٹے بھی تھے حام،سام،یافث ایک اور بیٹا کنعان طوفان میں غرق ہوگیا۔حام اور یافث کی نسلوں میں کوئی نبی نہیں مبعوث کیا گیا سام کی اولاد میں ہی نبوت ورسالت کے سلسلے چلے ہیں،یہی انبیاء حام اور یافث کی اولاد میں اصلاح و دعوت دین پر معمور ہوتے۔حام کی اولاد براعظم افریقہ میں اور کچھ ہندوستان میں پھیلی۔یافث کی اولاد ترک یوروپ چین منگولیا انڈونیشیا جاپان اور کچھ ہندوستان منتقل ہوئی۔اور سام کے بیٹے ارم،کی نسلوں جیسے قوم عاد میں ہودؑ آئے اور قوم ثمود میں صالحؑ آئے۔اور غلیم،لاوذ،اشوذ کی نسل میں کسی نبی ورسول کا آنا کسی مورخ نے بیان نہیں کیا۔البتہ ارم کے بیٹے ارفخشد/ارفاخشد کی نسل میں نبیوں کے سلسلے چلے ہیں،انہیں میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں،اوران کے بھائی ناحور میں کوئی نبی نہیں دوسرے بھائی ہاران یا اباران میں حضرت لوطؑ ہیں،اور بی بی سارہ ہاران ہی کی اولاد ہیں۔قوم عاد ثمود اور لوط نابود ہوگئیں،حضرت ابراہیم کے بیٹے مدین یا مداین کی نسل میں شعیبؑ نبی ہیں جن کی دختر صفورہ حضرت موسیٰؑ کی حرم محترم ہیں۔اور ابراہیمؑ اور سارہ کے دوسرے فرزند عیصو ہیں جن کی نسل میں حضرت ایوبؑ ہیں،اور حضرت اسحاق کی نسل میں بے شمار انبیاء ہیں حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ

ذوالکفیلؑ زکریاؑ دوسرے اولادوں میں موسیٰؑ ہارونؑ الیاسؑ اور شموئیلؑ ,اور حضرت داودؑ سلیمانؑ یحیؑ شمعونؑ اور عیسیٰؑ کی والدہ بی بی مریم ہیں۔اور بی بی حاجرہ کے بطن سے اسمٰعیلؑ ہیں ان کی اولاد میں صرف حضرت محمد ﷺ ہیں۔یہ تفصیل بتانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولادوں میں کئی انبیاء تشریف لائے لیکن حضرت ابراہیم کی اولاد میں اسمٰعیلؑ کی نسل میں صرف حضورؐ ہیں کچھ اسی طرح معاملہ آگے بھی ہوا ہے۔حضور ﷺ کی اولاد نرینہ نہ رہی ایام طفلی میں فوت ہوگئے ,لیکن حضرت بی بی فاطمہؑ و علیؓ کی اولاد میں جو ولایت کے سلسلے چلے ان میں حضرت حسنؓ میں حضرت عبدالقادر جیلانی ہیں,اور امام حسینؓ کے فرزند حضرت امام زین العابدینؓ کی اولاد میں امام محمد باقرؒ ہیں ان کے فرزند امام جعفر صادقؒ ان کی اولاد میں حضرت امام موسیٰ کاظمؒ ہیں ان کی اولاد میں حضرت امام موسیٰ رضا کی نسل میں حضرت معین الدین چشتیؒ حضرت میر سرخ بخاریؒ ہیں ,اور موسیٰ کاظم کی دوسری اولادوں میں شیعہ اماموں کا سلسلہ بھی ہے۔مگر!! امام موسیٰ کاظمؒ ہی کے ایک اور فرزند حضرت اسماعیلؒ کی اولاد میں درمیان میں کوئی ولایت کا سلسلہ نہیں صرف مہدیٔ موعود آخر الزماں ہی ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں حضور ﷺ ہیں۔ان کے علاوہ سعادات میں ولایت کے سلسلے تو ہیں۔لیکن کچھ ولایت کے سلسلے حضرت حسن بصریؒ اور کمیل ابن زیادؒ جو حضرت علیؓ کے شاگرد خاص کے سلسلہ طریقت بھی چلے ہیں۔

عرب کے کفار ومشرک صرف بتوں کو پوجتے تھے ,نبی کریم ﷺ نے معبودان باطلہ یا مخلوقات کی پرستش سے بنی نوع آدم کو منع کر کے معبود حقیقی کی عبادت و اطاعت کی دعوت دی۔کرہ ارض پر جتنی بت پرستی تھی خطہ ہند ان تمام پرستشوں کا نمائندہ اور گہوارہ تھا مثلاً اہل روم ستارہ پرست تھے ان کے مخصوص دیوتا جیوپیٹر یا جونو۔نیپچون یا منروا۔مارس یا وینس۔اپولو یا ڈیانا۔ولکان یا اوسٹا۔مرکیوری یا سیرس۔اس طرح بیس بت تھے ان ۔کے علاوہ کئی سو بت اور تھے ,ہندوستان میں ایسی ہی ستارہ پرستی ہے سوریا دیوتا ,چندرماہ دیوتا ,منگل دیوتا ,شنی دیوتا وغیرہ ہیں۔منگولیا میں ارواح پرستی تھی تو ہندوستان میں اپنے باپ داداؤں کے علاوہ پہاڑوں جنگلوں دریاؤں میں رہنے والی روحوں کو پوجا جاتا ہے۔بودھ دھرم والے پاٹلی پتر کے شہزادے گوتم بدھ کی پوجا کرتے ہیں ہندستان میں راجہ رام جی ' کرشن اور مہاویر جین کی پوجا ہوتی ہے ,یہی نہیں سائی بابا گروسوامی جی بھی بھگوان ہیں۔ساوتھ امریکہ برازیل چلی ارجنٹائن میکسیکو میں ندی نالے ماحولیات اور ہندوستان میں گنگا ندی ہمالیہ پربت کاویری مان سرور سمندر کا دیوتا برسات کا دیوتا میگھ دیوتا کی پوجا ہوتی ہے۔غرض دنیا کی جتنی بت پرستی شرک اور اس کے بعد رسم و بدعت ہندوستان میں

رائج ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے یہیں پر احسان کی تعلیم دینے والے کو مبعوث کیا کہ اے ناسمجھ انسان! ان ظاہری اسباب کو نہیں یا مخلوقات کو نہیں ان کے پیدا کرنیوالے کی تلاش کر اور اسے دیکھنے کی کوشش کر، وہ تیرے سامنے حاضر ہو یا تو اس کے سامنے حاضر ہو۔ان معبودانے باطلہ سے خوف امید بیم ورجاء سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں اور نہ انہیں دیکھ کر محسور و مسرور ہو جانے کے بجائے ان تمام مخلوقات کے پیدا کرنے والے کو اپنی بصیرت سے بصارت سے دیکھ جو سب سے زیادہ مسرت وخوشی کا سبب ہے۔یہی بات نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو بتائی ہے کہ" مخلوق کی پرستش بت پرستی اور خالق کی پرستش ایمان ہے" یہ پیغام روئے زمین عام کے انسانوں کے لئے تھا۔حضور ﷺ کے بعد کے دور کا عہد فترۃ تاریخ عالم انسانی کے ہر بھلائی برائی نیکی بدی شرک وبت پرستی کا نمائندہ تو ہے ہی لیکن مدعیان اسلام یا علمائے سو کی کارستانیاں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں بدعات رسومات مناظرہ مقابلہ مد مقابل کو نیچا دکھانے کے لئے ایسے پیچیدہ اور دقیق مسائل اور فتوے تراشے جاتے ہیں کہ قرآن وشریعت کی حقیقت ان میں پوشیدہ ہو کر رہ جاتی ہے۔احکام خداوندی اور فرائض کو درکنار کر کے اپنے عقائد کی تبلیغ اور کچھ نوافل کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ خدا کی پناہ اور تحریروں اور کتابوں کا اتنا بڑا انبار لگا دیا ہے کہ چاہ کر بھی ان میں کوئی حق کی حقیقت کو تلاش نہیں کر سکتا اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سلافیہ وہابیہ نے علمائے حق کی کاوشوں اور کوششوں کا بھی انکار کر دیا ہے اور اب قرآن وحدیث کے مطلب وبیان کو اپنی بدبخت اور دیرینہ خواہشوں کے استعمال کا ذریعہ بنالیا ہے۔اور ایک ایک کر کے تمام اسلامی آثار شواہد اور ثبوت آہستہ آہستہ مٹاتے جارہے ہیں۔

مہدیٔ موعود علیہ السلام نے تابع تام رسول اللہ ﷺ ہونے کے مقام پر امت مسلمہ یا بندگان خدا کو وہ پیغام دیا جو حضرت سرور کائنات ﷺ کا مخصوص عمل تھا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کی نسبت خاص کا عمل تھا جس کے ذریعہ بندہ اپنے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے ایمانی وروحانی مشاہدہ عالم کے ذریعہ اُس کا مشاہدہ کرے جو اس کائنات کا خالق ہے' اور یہی اصل بندگی اور اصل عبادت ہے جس کے لئے آدم کی تخلیق ہوئی تھی' نہ کہ دنیا میں کھانے پینے عیش وعشرت کرنے کے بعد مٹی میں ملادیا جائے مہدی موعودؑ نے فرمایا: جو چیز تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت سے روکے وہ تیرا بت ہے" یعنی کھانا پینا عیش و عشرت خود نمائی خود پرستی غرور۔دیکھئے تمام روئے زمین کی بت پرستی کا مرکز ہندوستان اور عالم انسانیت کے خالق کو دیکھ کر عبادت (احسان) کرنے کے پیغام کا مرکز بھی یہی ہندوستان۔مہدیٔ موعود کا پیغام

ہے دلفسر، پرستی بت پرستی بے ریا ترک خودی ایمان ہے۔ ان باتوں کو یہاں بتانے سے ہمارا مقصد یہ کہ قرآن احادیث اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانے کے کسی دور میں ایک ہی وقت میں زمین پر کئی انبیاء ورسول بھی موجود رہے ہیں۔ لیکن! سردار دو جہاں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ہے، آپؐ سے پہلے بھی عہد فترۃ رہا اور آپؐ کے بعد کا دور بھی عہد فترۃ ہی ہے، مگر آپؐ کے فرمان کے مطابق نویں صدی (۹۰۰) ہجری میں مہدیؑ آخرالزماں کو، اور قرب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کو آنا ہے مگر عیسیٰؑ کے آنے کی مدت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی امت اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں، اور دونوں وافع ہلاکت محمدیہ ہیں۔ مہدیؑ کا کام امت کو رسم و بدعت کی ہلاکت بچانا ہے جو معرفت الٰہی کے حصول میں حجاب ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام امت کو علمی و عملی کمیوں اور زیادتیوں سے باز رہنے کی تعلیم دیں گے، جو شریعت اور طریقہ رسول میں انا، خودغرضی تکبر و غرور کی علامت ہیں۔ اس سے پہلے بھی عیسیٰؑ ایسی اقوام مصریوں رومیوں اور یونانیوں کی طرف ہی مبعوث ہوئے تھے جنہیں اپنے علم کے کمال پر غرور تھا۔ امت محمدیہ کی یہ نافرمانی کہ یہود و نصاریٰ کی روش کو اختیار کر لیا ہے۔ اگر اللہ کی مخلوق، مٹی یا پتھر کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر معبود بنا لینا شرک ہے تو اللہ کے کلام میں اپنے ہاتھوں سے تحریف رد و بدل کر دینا بھی شرک اور نافرمانی کرنے کے مترادف ہے۔ اسی شرک سے بچانا عیسیٰؑ کا منصب ہے۔ یہ جو احادیث میں صلیب توڑنا خنزیر کو مارنا آیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام کہا ہے اور یہود و نصاریٰ نے بے دینی کے علم اور عمل کی جو صلیب اپنے گلے میں ڈال رکھی ہے اور سمجھ رکھا ہے کہ خدا کا بیٹا بھی ہے اسے اتار پھینکنا ہے اور تمام حرام امور کو جو اپنایا ہے ان سے منع کرنا۔ اور اہل اسلام نے جماعتیں طایفے فرقے گروہوں کا جو طوق گلے میں ڈال لیا ہے اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو درمیان میں حذف کر کے اپنے نظریات و اختلافات کو دین کا حصہ بنا دیا ہے اس سے ان کو متنبہ کرنا ہے کہ جن چیزوں کو اہل کتاب نے اپنایا تم نے بھی اپنا لیا ہے۔

ہم سبھی کو اب تک بتایا گیا ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ میں غار میں پناہ لینے والے اللہ کے بندوں پر عرصہ دراز تک نیند طاری ہوگئی جو صدیوں پر محیط ہے، لیکن ترجمان القرآن میں ابوالکلام آزاد نے سورہ کہف کی آیت ۹ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دراصل اصحاب کہف مجوسیوں کے خوف سے جب ڈر کر غار میں پناہ گزیں ہوئے تو وہ تھوڑے عرصے کے لئے غار میں رہے، چونکہ وہ عیسائیت کا ابتدایہ دور تھا ان دنوں لوگوں میں

رہبانیت Monasticism کے چلن کی ابتداء تھی کہ لوگ کئی کئی دن تک غاروں اور تنگ و تاریک کوٹھریوں میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوا کرتے کبھی کبھی اگر آبادی قرب و جوار میں ہوتی تو لوگ کھانا پانی لاکر پہنچا دیتے ,ورنہ یوں ہی وہ عبادت کرتے رہتے جیسا کہ یوگی فاقہ کرکے یوگا کرتے ہیں لیکن جب وہ غار سے کچھ عرصہ بعد نکلے تو انہیں حالات انکے دین اور اعتقاد کے موافق پائے وہ پھر سے واپس آکر غار میں فروکش ہوکر عبادت میں مشغول ہو گئے اور جیسے جس حالت میں مشغول تھے ویسے ہی ان کی موت واقع ہوگئی,مگر ان کے مردہ جسموں کو عبادت کی حالت میں عرصے تک دیکھ کر قیاس کرلیا گیا کہ وہ صدیوں تک زندہ تھے اور ایسا ہی مشہور ہوگیا۔اس بات کو ثابت کرنے کرنے کے لئے ابوالکلام آزاد نے بڑی لمبی بحث کی ہے یہاں ہم نے چند سطور میں بیان کیا ہے۔ان کی اس بحث کا مطلب ہے کہ اس واقعہ کے بیان میں اسلامی مورخوں اور مفسروں نے ان خبطیوں کے بیان کو درج کرلیا جو اس علاقہ میں رہتے آئے تھے جسے ''رقیم'' کہا اب پیٹرا Petra کہلایا جاتا ہے,انہوں نے قرآن کے بیان کی تحقیق نہیں کی,حالانکہ 'رقیم' کا علاقہ حجاز سے قریب اردن کے پاس ہے,جبکہ عیسائیوں کی کتابوں میں اصحاب کہف کے غار کا مسکن تین الگ مقامات روم,انطاکیہ اور افسس (یونان,گریس) بتائے گئے ہیں۔ان حوالوں کو یہاں بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ کہی سنی باتوں سے کسی حقیقت کی بلاتحقیق توجیہہ نادانی اور جہالت کی دلیل ہے۔

پہلے کے انبیاء علیہم السلام کے سلسلوں میں باپ بیٹوں اور بھائی کو بھی نبوت سے سرفراز کیا گیا۔جیسا کہ موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ تھے اور آدمؑ کے بیٹے شیثؑ تھے ابرہیمؑ کے بیٹے اسمعیلؑ تھے داوودؑ کے بیٹے سلیمانؑ تھے یعقوبؑ کے بیٹے یوسفؑ تھے عیسیٰؑ نبی تھے تو یحییٰؑ نبی تھے ابراہیمؑ کے دور میں لوطؑ نبی تھے یعنی نبوت و رسالت میں تسلسل تھا۔اس کے بعد ایک دین بیزاری تعطل تساہلی اور منافقت کا دور آتا تھا مگر یہ غور طلب امر ہے کہ حضور ﷺ کے آگے اور پیچھے عہد فترہ GAP کیوں؟۔اس بات کو ہم حضورؐ کے قول و بیان میں دیکھ سکتے ہیں,آپؐ نے فرمایا ہے کہ ''مہدی'' ہم سے ہے,حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا مہدی میری نسل سے فاطمہ کی اولاد سے ہیں۔لیکن مہدی کی بعثت کی مدت یا آنے کا زمانہ نو (۹) سو سال کا عرصہ بتایا گیا۔حضور سردار دو جہاں کی عمر شریف یعنی عالم اجسام میں صرف 63 ترسٹھ سال رہی۔لیکن حضور ﷺ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی عمر طبعی یعنی ذاتی

او اصلی عمر وہ نہیں ہے جس کو ہم نے سمجھ رکھا ہے ,مطلب یہ کہ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے تو آپؐ نے حضرت موسیٰ، حضرت آدمؑ وحضرت ابراہیمؑ کو اپنی قبروں میں نماز پڑھتے دیکھا اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسدوں کو کھائے، یہی عقیدہ اہل سنت و الجماعت کا بھی ہے جو ایمان ہے۔ اگر نو (۹) سو سال بعد مہدیؑ کی بعثت ہوتی ہے تو تعجب خیز اور حیرانی کی بات اس لئے نہیں کہ مہدیٔ موعود آخر الزماں نے خود کو رسول اللہ ﷺ کا تابع کہا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی مہدی کو خلیفۃ اللہ اور میری اتباع کرنے والا ہی کہا ہے کہ اتنے لمبے عرصے Gap کے بعد کسی کو میری اتباع کرنے والا کہنا اس یقین اور اعتماد کو ظاہر کرتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کو مہدی سے ہے۔ جیسا کے پہلے کے انبیاء کو اپنے زمانے کی نبی رسول سے ہوا کرتا تھا ایسا یقین تب تک پیدا ہو نہیں سکتا جب تک کے اس اتباع کرنے والے کو بھیجنے والے کے مقصد اور اس کے منصب سے اپنے رسول ﷺ کو مطلع نہ کیا گیا ہو۔ اور اس اتباع کرنے والے کی حقیقت ان پر ظاہر نہ کردی گئی ہو۔ خاتم الانبیاء سردار دو جہاں ﷺ کے آنے کا وعدہ پہلے کے انبیاء سے کیا گیا ان کے بارے میں ہر آنے والی امت کو مطلع کیا گیا یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے وہی سنت مہدیٔ موعود آخر الزماں کے لئے روا رکھی گئی زبور میں حضرت داؤدؑ سے منقول ہے کہ ”اَللّٰھُمَّ ابعَثْ مُقِیمُ السُّنَّۃَ بَعْدَ الْفُتْرَۃَ اے اللہ بعد فترت کے کسی سنت کے قائم کرنے والے کو مبعوث فرمایا۔ آسمانی کتابیں صرف چار ہیں اور قرآن میں چند نبیوں اور پیغمبروں کا نام اور ذکر آیا ہے روایتوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اسی ہزار نبی رسول اور پیغمبروں کا آنا بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتیں ان چار کتابوں کے تحت ہیں یا ان کتابوں میں دیگر انبیاء و مرسلین کے نوشتوں اور صحیفوں میں شامل کیا گیا ہے۔ یعنی اولاد آدم کی دینی و دنیاوی زندگی کو ان چار کتابوں کے ماتحت رکھا گیا اور قرآن کا نزول توریت زبور انجیل کے علاوہ دیگر انبیاء کے صحایف کا مجموعہ ہے

جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انبیاء و مرسلین کے درمیان کتنا بھی عرصہ یا فاصلہ ہو یا دور فترہ ہی کیوں نہ ہو ان کے درمیان ایک تعلق ایک سلسلہ ایک ربط وضبط ہوتا ہے، کیونکہ وہ منصب کے لحاظ سے اللہ کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ پہلے عیسیٰؑ نبی تھے اور اب عیسیٰؑ ایک خلیفۃ اللہ بن کر آئیں گے۔ جبکہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا زمانہ عہد فترۃ ہے جس میں صرف ایک نبی حضرت شمعونؑ مبعوث ہوئے تھے جو بنی اسرائیل کی روایتوں سے معلوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شریعت منقطع نہیں ہے کہ اس

میں مہدیٔ موعود آخرالزماں درمیان میں اور عیسٰی ابن مریم آخر میں ہیں۔ اور حضور نبی کریم ﷺ نے مہدیٔ کو نہ صرف "میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا" کہا بلکہ انہیں اللہ کا خلیفہ کہا، یہ اللہ کے خلیفوں کا امتیاز ہے کہ کسی کو کتاب دیتا ہے مگر کسی نبی کی شریعت کا تابع بناتا ہے اور کسی کو نہ کتاب دی نہ شریعت مگر شریعت محمدیہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا، مگر! مہدیٔ موعود آخرالزماں کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے ایمان مکمل کی ایک خصوصیت کا داعی بنا گیا ہے وہ ہے "احسان" جو نبی کریم کا خاصہ تھا اور اسی کی تعلیم اور تربیت کا انہیں ذمہ دیا گیا، اس لئے کہ قرآن اور سنت پر عمل کرنا اسلام ہے اور اسی قرآن اور شریعت کی جو تعلیم اللہ کے رسول ﷺ نے دی اس پر خلوص سے عمل کرنا ایمان ہے، اور احسان ایک الگ کیفیت ہے اس کا متحمل ہر کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ خاتم النبین کا یہ وہ عمل تھا جو معراج کے طور پر ظاہر کیا گیا' جس کی تمنا ہر نبی رسول کو ہوا کرتی تھی۔ معراج کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ رُتبہ یا درجہ جس سے زیادہ کوئی تصور نہ کرسکے۔ معرا بلا ترجمہ قرآن مجید کو کہتے ہیں، وہ کتاب جس پر حاشیہ نہ ہو۔ عروج سے معراج ہے اس کے معنی انتہائی ترقی کے ہیں اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہوا ہے سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو (بنی اسرائیل) اَسْرٰی کے معنی سیر کرائی بعض کے نزدیک اس کے معنی کشادہ زمین کے ہیں اور یہ صَرَاۃ سے مشتق ہے ... اور اس کے معنی اس طرح ہونگے 'اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو وسیع اور کشادہ سرزمین میں لے گیا۔ (انوار البیان) اگر یہی معنی لئے جائیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس تنگ اور محدود زمین سے ایک ایسے کشادہ مقام پر لے گیا اور سیر کرائی جو بے حد و کنارہ ہے۔ یہ ایک ذیشان نبی کی اللہ تعالیٰ سے ولایت مخصوصہ کا معاملہ ہے' اگر خاتم النبین کا یہ مقام ہے تو ان کی امت کا مقام بھی دوسرے انبیاء و مرسلین کی امتوں کے مقام سے اونچا ہی ہونا چاہئے تھا سو اللہ تعالیٰ نے امت کو یہ مقام عطا کیا ہے جس کا مژدہ امت رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل امین کے سامنے فرمایا۔ دوسری امتوں میں بھی لوگ خدا کی وحدانیت کے قایل تھے عبادات و ریاضات کیا کرتے تھے احکام خداوندی کی تعمیل بھی کیا کرتے' روزے رکھتے صدقات اداء کرتے کعبہ کا طواف و احترام کرتے ہجرت کرتے' اللہ کی رضا جوئی کرنے والوں سے یہ دنیا کبھی خالی نہ رہی' پھر امت محمدیہ ﷺ کو بہترین امت کہنے کا کیا جواز ہے۔ روزہ نماز زکواۃ حج دین ہے' احسان ایمان کامل کی کلید ہے۔ یہی وصف خاتم الانبیا ﷺ کا تھا یہی اصل سنت رسول ﷺ ہے جس کے بیان اور تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ اور حق کے اقرار میں انسانوں کا معاملہ ہر زمانے میں ایک جیسا رہا ہے۔ (باقی آئندہ)

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور)
Cell No. 9242653492

علم ریاضی اور تلاش حق

قرآن مجید تمام علوم کا سرچشمہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ.. تا...بِمِثْلِہٖ مَدَدًا (109 سورہ کہف) (اے محمدؐ) آپ فرما دیجیے کہ میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی (بنا دو) تو بھی سمندر خشک ہو جائے گا مگر میرے رب کے کلمات (رب کی تعریف یا اس کا علم) ختم نہیں ہونگے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ جس طرح چلو بھر پانی اٹھا لینے سے سمندر کا پانی کم نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کا علم ہے۔ قرآن مجید میں صرف دعائیں احکام و واقعات ہی نہیں بلکہ اس میں دیگر علوم کے علاوہ ریاضی (Mathematics) کا ایک بے مثال سلسلہ اور قرینہ ہے' جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اسی سلسلے یا قرینے کو سمجھنے یا جاننے کی کوشش کرنے سے بہت سارے اسرار و رموز سامنے آتے ہیں۔ ہم نے اس قرینے کو سمجھنے کی کوشش کی تو ہمارے عقائد کی یہ حقیقت سامنے آئی۔

حضرت سید محمد جونپوری مہدی موعود آخرالزماں علیہ السلام نے اپنے دعویٰ مہدی کے دلائل اور ثبوت میں قرآن کریم کی اٹھارہ (18) آیات پیش کیں, اور سورۂ بینہ ان میں اٹھارویں اور آخری سورہ ہے۔ اور قرآن کریم کی ترتیب کے لحاظ سے 98 سورہ مبارکہ ہے اسکے بعد 16 سورہ ہیں۔ جن میں پانچ سورتوں میں قیامت اور اس کی ہولناکی کا ذکر ہے (الزلزال' العدیات' القاریہ' التکاثر اور الھمزہ) دو سورتوں میں نافرمانی و بت پرستی کا ذکر ہے (العصر' الکافرون) دو سورتوں میں عذاب الٰہی کا (فیل اور لہب) تین سورتوں میں اللہ تعالیٰ کا احسان' آب کوثر سے ایمان والوں کی تواضع اور وحدانیت کا (قریش' کوثر اور اخلاص) دو سورتوں میں وسعت اسلام کے باوجود نمازوں میں ریاکاری بخل اور روز جزاء کا (الماعون' اذاجاء) دو سورتوں میں خدا کا برتر ہونا جادو ٹونا, انسانوں اور جنوں کا وسوسہ (فلق اور الناس) اس طرح کل ملا کر تیرہ (13) سورتوں میں قیامت عذاب الٰہی اسلام کی وسعت کے باوجود ریاکاری بخل نمازوں کی خرابی جادو ٹونہ انسانوں اور جنوں کا وسوسہ ہے۔ اور صرف تین (3) سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' احسان اور کوثر سے مومنوں کی پیاس بجھانے کا ذکر ہے۔ بات صاف ہے مہدیٔ موعود آخرالزماں کے بعد

کا 82% فیصد (13÷16 = .8125) بے دینی ریاکاری دینداری کا دکھاوا اور ظاہر پرستی کا دور ہے۔اور 18% فیصد (3÷16 = .1875) خدا کی اطاعت و بندگی کا دور ہے۔ یہ تناسب نہ صرف امت مسلمہ کا ہے بلکہ ملت کا بھی یہی تناسب ہے۔ لہٰذا سورۃ بینہ میں جو قرآن کریم کی اٹھانویں (98) سورۃ ہے مہدیٔ موعود آخرزماں علیہ السلام نے خود کے مبین کلام اللہ ہونے کی دلیل میں پیش کی ہے۔ جو آپ کے دلائل کی اٹھارویں (18) اور آخری آیت ہے۔ یعنی آپؑ کی بعثت کے بعد کا زمانہ ایمان واسلام کا دور آخریں ہے۔ ابتداء آدمؑ سے انتہاء محمد ﷺ پر اور ختمیت مہدیٔ موعود پر۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز وتر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے وہ طاق کو پسند کرتا ہے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل ہے۔ وَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمْ : لِلّٰہِ تِسعَۃٌ وَّ تِسعُوْنَ اِسْمًا ، مِا ئَۃٌ اِلَّا وَاحِدَۃٌ مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ اِنَّہٗ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو جو شخص ان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ طاق ہے طاق (عدد عبادت) کو پسند کرتا ہے۔ اسی طاق عدد کا مظاہرہ یا لطیف اشارہ بار بار ہوا ہے۔ قرآن شروع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اس میں 'اللہ رحمٰن رحیم' نام ہیں، ایک نام اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے دو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق ہیں۔ یہ تینوں نام طاق (3) ہیں۔ جس میں ''بسم'' یعنی شروع کے لفظ 'ب۔س۔م۔3 ہیں' مگر ''اللہ'' الف۔ل۔ل۔ہ۔4 لفظ 'رحمٰن' ر۔ح۔م۔ن۔4 لفظ 'رحیم' ر۔ح۔ی۔م۔4 لفظ ہیں۔ اب 'بسم' کے 3 طاق عدد کو چھوڑ کر 'اللہ' کے 4 ''رحمٰن کے 4 اور 'رحیم' کے 4 کو جمع کریں تو حاصل عدد 12 ہے جسے جمع کریں 3 باقی۔ یعنی طاق! علم جفر (جو حضرت امام جعفر صادقؑ سے منسوب ہے) جس کی بنیاد حروف تہجی (اب پ ت ج ح) کے 28 حروف پر ہے۔ علمائے جفر نے ہر حرف کا ایک عدد یا ویلیو (value) مقرر کی ہے۔ مثلاً الف کا 1 ب کا 2 میم کے 40 ف کے 80 ت کے 400 ذال کے 700 غین کے 1000 اس طرح دیگر الفاظ کے اعداد قمری مقرر ہیں۔ انگریزی میں اسے نیومرالوجی کہتے ہیں' اسی اصول پر موجودہ زمانے کے علم ریاضی آلجبرا (Algebra) کی بنیاد ہے جسے مسلم ریاضی دانوں نے صدیوں پہلے ایجاد کیا' اعداد قمری کی طرح اعداد شمسی بھی ہوتے ہیں۔ انہیں الفاظ کے اعداد قمری کے قاعدے کی رو سے علمائے جفر یا دوسرے معنوں میں علمائے اعداد نے ہر لفظ اور جملہ و مکالمہ کا مرکب نکالنے کا طریقہ بنایا

ہے۔اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کل اعداد 786 قرار دئے۔اب اس 6+8+7=21 کو جمع کریں حاصل 3 طاق۔جس طرح 'اللہ' رحمٰن' رحیم کے 4+4+4=12 ہیں اس کا حاصل 3 ہے۔قرآن کریم میں کل پارے 30 ہیں حاصل 3 ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں 3 الف ہیں ۔اب ہم اسی اصول کو "وحدت۔نبوت۔اورولایت میں یوں ترتیب دیتے ہیں۔'اللہ' محمد اور مہدیؑ۔اللہ،الف۔ل۔ل۔ہ۔ 4 'محمد،م۔ح۔م۔د۔4 'مہدی،م۔ہ۔د۔ی۔4 لفظ حاصل جمع 12 باقی 3 طاق۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تین الف کے تین دور۔آدم علیہ السلام جو ابوالآدم سے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہلا دور،دوسرا دور ابراہیمؑ سے خاتم الانبیاء محمدﷺ تک۔تیسرا دور خاتم الانبیاءﷺ سے خاتم الاولیاء خلیفت اللہ مہدیؑ موعود آخرالزماں علیہ السلام تک۔اس کے بعد قیامت یا اختتام ہے۔اس کی تکمیل یوں بھی ہے۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔شروع 'اللہ' کے نام سے جو'ذات' ہے۔نہایت مہربان یعنی رحمٰن کی صفت انسانوں کی طرف مہربانی۔اور رحم والا'رحیم کی صفت مومنین کے لئے۔یعنی ایک ذات دو صفات۔خاتم نبوتﷺ اور خاتم ولایتؑ مطلب رحمٰن کی صفت مومنوں کے لئے اور رحیم کی صفت خاصان خدا یا جن پر احسان کیا جائے گا ان کے لئے۔آدمؑ سے ابراہیمؑ تک ذات الٰہی کا دور ہے جس میں ماننے پر ثواب نہ ماننے پر عذاب دیا جاتا تھا۔حضرت نوحؑ صالحؑ اور ہودؑ کے ادوار اس کی مثال۔ابراہیمؑ سے محمدﷺ تک صفات کا دور مثلاً خلیل اللہ' ذبیح اللہ کلیم اللہ روح اللہ وغیرہ۔اور محمدﷺ کے بعد مہدیؑ آخرالزماں کے دور تک رحمت اللعالمینﷺ اور دافع ہلاکت محمدیہ کا دور ہے یعنی امت کے خواص کو ہلاکت سے بچانا۔اس کے بعد قیامت کا دور ہے۔اسی لئے سورہ' بینہ کے بعد کی سولہ (16) آیتوں میں ایمان و احسان کا تناسب 18% فیصد اور بے دینی بے راہ روی کا تناسب 82% فیصد ہے۔معلم تعلیم احسان کی پیش کردہ دلائل کی 18 آیات کے بعد کے دور کو قرآن نے ایمان والوں کے تناسب کا دور آخر میں ہونے کی نشاندہی کی ہے۔یہ محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے علم الہندسہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ قابل غور ہے۔تخلیق انسان کے تین (3) دور عالم برزخ، عالم اجسام عالم ارواح۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت بریدہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے فرمایا رسول اللہﷺ نے کہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سلیمان علیہ السلام کے علاوہ صرف رسول مقبول نبی کریمﷺ پر ہی نازل ہوئی ہے اور کسی پر نازل نہیں کی گئی۔دوسری روایت ضحاکؓ سے ہے کہ: رحمٰن تمام مخلوق کے لئے ہے اور رحیم

مومنین کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ: بسم اللہ نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف دوڑے، ہوا رک گئی، سمندر موجیں مارنے لگا، چوپائے ہمہ تن گوش ہو گئے شیطانوں پر پتھر برسائے گئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے نازل کرنے کے لئے آسمانوں سے فرشتوں کے غول اتر آئے۔ اور روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جب بھی حضرت جبرائیل وحی لاتے تو ہر سورۃ کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی۔ اور جب کبھی جبرائیلؑ بسم اللہ لاتے رسولﷺ سمجھ جاتے کے پچھلی والی سورۃ مکمل ہوگئی اب دوسری سورۃ شروع ہوئی ہے۔ اب اس کے بعد ایک ضعیف سند کی روایت جسے حضرت ابو سعید خدریؓ کی جسے امام ابو الفداء ابن کثیر نے بیان کی ہے فرمایا رسول اللہﷺ نے کہ: حضرت بی بی مریم علیہم اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلم کے پاس تعلیم کے لئے لے گئیں، معلم نے کہا لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" عیسیٰ علیہ السلام نے معلم سے پوچھا بسم اللہ کے کیا معنیٰ، معلم نے کہا مجھے معلوم نہیں، عیسیٰ علیہ السلام نے کہا "الباء (ب) سے مراد بہا اللہ ہے (معنیٰ عمدہ اچھا اعلیٰ برتر اور بہتر) اور "سین" سے مراد اس کی سنا (اللہ کا قدیم ہونا) ہے۔ اور میم سے مراد اس کی مملکت ہے (سارے آسمانوں اور زمینوں کی) اور اللہ سارے جھوٹے معبودوں کا حقیقی معبود ہے، رحمٰن سے مراد رحمٰن الدنیا و آخرہ اور رحیم سے مراد رحیم الہ آخرہ ہے۔ اور بسم اللہ کا "الباء" بلندی ہے، اور سین سے مراد اس کا نور یعنی روشنی اور میم سے مراد اس کی مملکت اور بادشاہی ہے۔ اللہ کہتے ہیں معبود کو، رحمٰن کہتے ہیں دنیا و آخرت میں رحم کرنے والے کو اور رحیم کہتے ہیں آخرت میں رحم کرنے والے کو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے "بسم" کی ایک دوسری حقیقت بھی ملاحظہ ہو، حروف ابجد یا تہجی کی بنیادی مرتبہ یا (value) ہندسوں کے لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ کی روایت کو یوں دیکھیں۔ 'ب' سے برتر۔ 'ب' کے 2 دو، 'ر' کے 200، 'ت' کے 400۔ 'ر' کے 200 جملہ ہوئے 802 حاصل 10 باقی 1 یعنی واحد۔ سین سے سنا (قدیم) 'ق' کے 100۔ 'د' کے 4۔ 'ی' کے 10۔ 'م' کے 40 حاصل جمع 154 حاصل 10=4+5+1 حاصل 1 واحد۔ میم سے مالک 'م' کے 40۔ الف کا 1۔ ل کے 30 'ک' کے 20۔ حاصل جمع 91 اس کا حاصل 10 باقی 1 واحد۔ یعنی برتر کا 1 قدیم کا 1 اور مالک کا 1۔ ہر ایک لفظ میں وحدت پنہاں ہے، اگر ان 1+1+1 کو جمع کریں تو طاق 3 یعنی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور غیر منقسم، اگر ان تینوں کے کل اعداد کو جمع کریں 91+154+802=1047 ہوئے جن کا حاصل 12 حاصل 3

طاق۔ بات یوں ہی ختم نہیں ہے اب دیکھئے، جیسے پہلے کہا" اللہ رحمٰن رحیم" کے 4+4+4=12 جس کا حاصل 3 طاق۔ یہاں حیران کن نتیجہ دیکھئے، اللہ کے الف کا 1 ل کے 30 ل 30 ہ کے 5 حاصل جمع 66 انہیں جمع کریں 6+6=12 جس کا حاصل 3 طاق ہے۔یعنی جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفات سے جوڑتے ہیں (اللہ رحمٰن رحیم) تو طاق عدد برآمد ہوتا ہے اور صرف اللہ کی ذات کے لفظ کو دیکھتے ہیں تو بھی 3 طاق عدد برآمد ہوتا ہے' لیکن رحمٰن اور رحیم کے اعداد 4 ہوتے ہیں' مطلب اللہ تعالیٰ کی' ذات منقسم نہیں' صفات ہوسکتے ہیں۔ جیسے پہلے کہا اس کا برتر قدیم مالک ہونا بھی طاق 3 عدد پر ہے یعنی برتر قدیم مالک کے حروف کا حاصل 1+1+1 تین 3 ہوتا ہے۔یعنی واحد واحد اور واحد اس کی برتری بلندی اور تقدیم اور مالک یا معبود ہونے میں دوسرے معنوں میں اس کے اللہ ہونے میں وہ واحد و ایکتا ہے اس کا کوئی شریک ہے ہی نہیں۔اب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مرحلہ طے ہونے کے بعد شہادت ورسالت میں دیکھئے لا الہ الا اللہ کے حروف تہجی ل 30 الف 1 الف 1 ل 30 ہ کے 5 الف کا 1 ل کے 30 الف کا 1 الف کا 1 ل کے 30 ل کے 30 ہ کے 5 حاصل جمع 165 انہیں جمع کریں 5+6+1= 12 حاصل 3 طاق۔اب محمد جو اللہ کے رسول ﷺ ہیں ان کے اعداد دیکھیں ''محمد'' میم کے 40+ ح کے 8+ میم کے 40+ دال کے 4=92 جس کا حاصل 11 یعنی 1+1=2 یعنی لا الہ الا اللہ 3 طاق غیر منقسم اور محمد (ﷺ) جفت 2 دو۔ یعنی ایک 1 اللہ دو 2 محمد ایک محمد الرسول اللہ ﷺ اور دوسرے محمد مہدیؑ موعود علیہ السلام کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مہدی مجھ سے ہے اس کا نام میرا ہم نام اس کے باب کا نام میرے باپ کے ہم نام اس کی ماں کا نام میری ماں کے ہم نام۔ہوئے نا دو 2 محمد ایک محمد ﷺ دوسرے ان کی نظیر (مثل) اس نظیر کے متعلق ہم آگے کہیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔کوئی بھی مسلمان سے پوچھئے کہ اس کا مطلب 'شروع' اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔اگر اس 'بسم' شروع کے بجائے حضرت عیسیٰؑ کی روایت کے مطابق 'برتر قدیم معبود (مالک) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا کہتے ہیں تو صفات الٰہیہ برتر قدیم اور مہربان رحم والے کے ''درمیان' اس کی ذات اللہ ہے۔یعنی اللہ کہنے سے پہلے اس کے اعلیٰ برتر قدیم اور معبود برحق ہونے کا اقرار ہے' اس کے ''بعد'' اس کی شفقت و مہربانی کا۔یعنی اسم ذات مبارک اللہ کا اعلیٰ برتر معبود و قدیم رحمٰن و رحیم ہونے کا اقرار صرف چار الفاظ کی چھوٹی سی آیت مبارکہ میں ہم کر

رہے ہیں بلکہ الفاظ کی ادائیگی کی اک سرعت میں خالق کائنات تسلیم کر رہے ہیں جو اپنی ذات میں مقدم اعلیٰ وارفع ہے۔ تعلیم احسان کے ذریعہ مہدیؑ موعود علیہ السلام نے یہی نکتہ تو بتایا ہے کہ ''الا اللہ توں ھے لا الہ ھوں نھیں تو ہی تو ہے میں نہیں ہوں۔ کائنات میں مخلوق جو اس کی صفات سے متصف ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں جو کچھ ہے وہ ذات الٰہیہ ہے جو تقدیم وتاخیر زمانی یا ہر زماں ومکاں میں موجود تھی موجود ہے اور موجود رہے گی۔ ذات ہے تو صفات ہیں ورنہ کچھ نہیں۔ کا شیئ ھالک الاوجہ بجز اس کی ذات کے ہر چیز کو فناء ہے۔ حالانکہ لا الہ الا اللہ کا مطلب بھی یہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔ لیکن جو کیفیت اور احساس انسان کی طبیعت اور اس کے مافی الضمیر میں پیدا ہوتی ہے اس کے نقوش زیادہ دیرپا اور گہرے ہوتے ہیں۔ وہی مکہ مکرمہ وہی قریش وہی احباب اور محمدؐ بھی وہی جو ایمان دار ہیں نیک نفس ہیں امین ہیں صاحب عزت وفراست ہیں، مگر اہل عرب کی نگاہوں میں ایک اچھے انسان تو ہیں مگر ایک عام انسان۔ لیکن! جیسے ہی نبوت سے سرفراز کئے جاتے ہیں آپ کا تقدس و احترام زمین کی وسعتوں میں بیان ہوتا ہے۔ رحمت اللعالمین کہلاتے ہیں اور احتراماً ﷺ ہو جاتے ہیں۔ پہلی والی کیفیت اور بعد کے مقام ومرتبہ میں زمین وآسمان کا فرق کیوں؟ وہ اس لئے کہ جس قادر مطلق اللہ کے ساتھ آپ کا تعلق جڑا ہوا تھا اس کی برتری وبزرگی کا احساس ہر ذی روح انسان کو پہلے سے تھا چاہے مشرک ہو کہ کافر یہود ہو کہ نصاریٰ مانتے تھے کہ ایک خالق کل تو ہے مگر اسے پہچانتے نہیں تھے، جیسے ہی یاد دلا دیا پہچان کروائی ساری انسانیت چونک اٹھی کہ ہاں!!! بے شک سچ یہی ہے۔ پھر اس کے بعد مسلمان مومن صحابہؓ مبشر جنت تابعی محدث مفسر جنتی جہنمی سبھی طبقے ہوئے۔ پہلے ایسا کیوں نہیں ہوا؟ وہ اس لئے کہ جب بات سمجھ میں آئی تب احساس ہوا کہ ہاں!! یہی ہے۔ اسی طرح لا الہ الا اللہ کی حقیقت سے سبھی واقف تو تھے لیکن احساس ختم ہو گیا تھا' مہدیؑ موعود علیہ السلام نے اس احساس کو دوبارہ زندہ کیا' جگایا تب لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ ہاں! اس کے بغیر کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ میں بھی نہیں الا اللہ توں ھے لا الہ ھوں نھیں یا...تو ھی توں ھے میں بھی نھیں ھوں. جب میں بھی نہیں کچھ بھی نہیں تو؟ کچھ تو ہے جو موجود ہے؟ وہ ہے اللہ جل جلالہ اور یہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ برتر قدیم معبود جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ جب ایسے اللہ جل جلالہ کی حقیقت دل میں جاگزیں ہو جائے تو نفس یا 'میں' کی حیثیت بے وقعت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے مہدیؑ موعود کو دین کو زندہ

کرنے والا کہا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح دین ہم سے شروع ہوا اللہ تعالیٰ دین کو مہدی پر ختم کریگا۔ جب تک حضرت مہدیٔ موعود کی بعثت نہیں ہوئی تھی سبھی رسوم و بدعات خرافات بے دینی میں مبتلاء تھے۔ جیسے ہی دعوت مہدیٔ کا اعلان ہوا ہر کس و ناکس تبلیغی جماعتی اور خدا کا مقرب بننے کا مدعی ہو گیا اور حقیقی مہدیٔ موعود کو اور ان کی جماعت پر پیچ و تاب کھانے لگا کہ سید محمد جونپوری کو مہدیت کیوں عطا ہوگئی ہم کیا کچھ کم تھے۔ جیسے یہود و نصاریٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا۔ حقیقت کو تلاش کر کے ایمان والوں کے زمرے میں تو شامل ہوتے بے دینی کی راہ اختیار کر لی۔

سوائے قرآن مجید کے دنیا کی کسی بھی مذہبی کتاب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم یا شروع اللہ کے نام سے یا بھگوان یا گاڈ یا پرماتما یا کریٹر جیسے کسی بھی لفظ یا جملہ پر اپنی عبادات دعاؤں مذہبی مجالس یا کسی چیز کی ابتداء کا آغاز نہیں کرتے سوائے مذہب اسلام کے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام روحانی اور مقدس دین ہے۔ صرف مسلمان ہی اپنے دینی ہی نہیں دنیاوی کام کا آغاز اللہ یا خالق کے نام سے کرتے ہیں۔ یعنی دنیا میں واحد مسلمان ہی ایسی قوم ہے جو تکبر انا و خودی کے بجائے نیستی فروتنی عاجزی تواضع و انکساری سے پہل کرتی ہے۔ اور جواب میں معبود برحق بھی عادل و منصف ہونے کی شان استغناء سے کہتا ہے کہ وہ بڑا مہربان و رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے 99 نام ہیں شروع میں اس نے کیوں نہیں جبار متکبر قہار القوی منتقم الملک القدوس کہا کہ مجھے اس نام سے پکارو۔ بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے کیونکہ وہ برتر قدیم معبود ﷻ ہے اسی لئے وہ رحمٰن و رحیم ہے' اس کی شفقت و رحم کی صفت اس کی تمام دیگر صفات پر مقدم ہے' وہ سب سے پہلے مخلوقات کا خالق ہے اس کے بعد وہ بندوں کے اعمال کے لحاظ سے جبار متکبر قہار وغیرہ ہے۔ کوئی بھی حیوان جانور ہو کہ انسان تب تک تشدد پر یا مرنے مارنے پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک اس کی اولاد یا بچوں کو نہ چھیڑا جائے' وہ تو ان کے بچوں کو پچکارنے سہلانے پر یگانت اور لگاؤ اور اپنے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں' اللہ تو خالق کائنات ہے وہ اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے' اس کا اظہار اس نے اپنے کلام قدیم قرآن کریم میں کر دیا ہے۔ سورہ توبہ میں جب اس نے اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار فرمایا تو اس سورۃ کے پیغام کے سرے سے یا راس پر اپنی شان کریمی نہیں جتلائی بلکہ سیدھا قہر و غضب کا انداز بیان اختیار کیا۔ اور اس کی شان کریمی دیکھئے جب شریعت آخریں نازل فرمائی تو احکام و بیان کی ابتداء کی اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کے بیان سے۔ کیوں نہ ہو؟ اس کے پیغام پہنچانے

والے ختم المرسلین رحمت عالم ﷺ تھے۔ اور ان کی آل وعترت میں احسان کا معاملہ کیا جانے والا تھا کہ آجاؤ میری رحمت کی آغوش میں میں تمہیں شرف باریابی بخشوں گا' یہ برتر قدیم معبود اللہ کی شفقت ورحم ہے کہ جو پچھلی امتوں کو نافرمانی پر عذاب دیتا تھا اس نے امت رحمت اللعالمین ﷺ کو شرف باریابی سے نوازنے کا مژدہ سنا رہا ہے۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ط کہد و (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں بصیرت (بینائی) کی راہ پر اور وہ بھی بلائے گا جو میرا تابع ہے (سورۂ یوسف ۱۰۸) یعنی پہلے صرف خواص اس کے دربار میں جانے کے قابل تھے اب تم وہ قابلیت پیدا کرو، آجاؤ ہمارے دربار میں کشاں کشاں۔ کیا یہ شفقت ورحمت نہیں ہے' جو شریعت آخرین کی ابتداء کا منتٰہی ہے' جو برتر قدیم معبود اللہ رحمٰن اور رحیم کی بارگاہ کا بہ نفس نفیس بلاوا آنا۔ قرآن مجید کی ترتیب کے لحاظ سے سورہ یوسف بارہویں 12 سورۂ مبارکہ ہے جس کا حاصل طاق 3 ہے' اسمیں بیان کردہ دیدار الٰہی جسے بصیرت کہا گیا ہے اس کے اعداد کو دیکھیں۔ 'ب' کے 2 ص کے 90 ی کے 10 ر کے 200 ت کے 400 جمع 702 جس کی جمع 9 عدد اب دعوت بصیرت کا اعلان کرنے والے مہدیؑ یا قرآن کریم کے ''مَنْ'' میم کے 40 ن کے 50 جمع 90 حاصل 9 عدد مطلب یہاں پر میں یا ''انا'' محمد ﷺ ہیں ان کی (رسول اللہ ﷺ) پیروی یا اتباع کرنے والا'' وہ '' یا 'مَنْ' مہدی خلیفۃ اللہ ہے کیونکہ دعوت دیدار عام نہیں خاص ہے۔ علم الہندسہ میں 1 سب سے کم value والا عدد ہے اور 9 سب سے زیادہ value والا اور دونوں کو جمع کریں تو 10 ہوتے ہیں جس کا حاصل 1 واحد ہے۔ یعنی خدائے واحد و یکتا کے دیدار یا بصیرت کا اعلان کرنے والا رسول مقبول ﷺ کی کامل پیروی کرنے والا '' وہ '' ہے جو مامور من اللہ ہے۔

ہر خاص وعام نہیں جیسا کے سمجھا جا رہا ہے۔ کیونکہ احسان یا دیدار کا داعی اور دعوت دونوں خاص ہیں عام نہیں۔ اس میں تقسیم نہیں یہ 'فرد واحد' ہے اس سے پہلے بھی خصوصیت ہے 'انا ومن اتبعنی یعنی میں اور میری اتباع کرنے والا کے انا و یا ان و کے اعدادیوں ہیں الف کا 1 اور نون کے 50 اور واؤ کے 6 جمع کریں حاصل 12 جس کا حاصل 3 طاق ہے۔ (یہاں ہم نے انا کو ان کے معنی میں لیا ہے' لغات حدیث میں اس کی تشریح یوں ہے۔ اَنْ کبھی اسم ہوتا ہے جب انا کا مخفف ہو جیسے اَنَا فَعَلْتُ یا ضمیر مخاطب ہو) کیونکہ آیت کریمہ میں انا اسم محمدؐ ہے اور من اتبعنی خلیفۃ اللہ مہدی ہیں یعنی دعوت دینے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب (محمدؐ) اور اتباع کرنے والے مہدی۔ آیت کریمہ میں قُلْ هٰذِهٖ کہد و یہ میرا

راستہ ہے' کہا گیا ہے محمد گا نام نہیں لیا گیا' مترجم مفسر غیر معصوم لوگوں کو' اگر! رسول ﷺ کے "مَنْ" کو امت کے افراد یا پیرو قرار دے لیتے ہیں' کیونکہ وہاں وہ کا مطلب عام لوگ ہیں تو پھر "قُلْ" کہہ دو کو بھی کیا امت کے افراد یا پیروؤں سے مخاطب سمجھیں گے کہ ہم سے کہنے کو کہا جارہا ہے۔ اگر "کہہ دو" محمد ﷺ ہیں تو "وہ" عام لوگ کیسے ہوسکتے ہیں یہاں "وہ" خاص ہوا۔ اور وہ خاص مہدیٔ موعود ہے جن کا وعدہ مخبر صادق ﷺ نے کیا تھا۔ اور مہدیٔ موعود نے اپنے دعوے کے دلائل میں بہ بانگ دہل پیش کیا اور قرآنی دلائل کا ایسا جامع ثبوت صرف مہدیٔ برحق ہی پیش کرسکتا تھا۔ اب ان توجیہات کو ملا کر دیکھیں' سورۂ یوسف کی وہ آیت جس میں دیدار اور اس کے داعی کا وعدہ کیا جارہا ہے 108=9 بصیرت کے اعداد 9 اور من (داعی) کے اعداد 9 اب ان تینوں کو جمع کریں 27=9۔ یہ تمام اعداد کی حقیقتیں ایک دوسرے کی کڑی سے منضبط ہیں۔ اور اس کا راست اشارہ بتارہا ہے کہ یہ تمام معاملات 9 نویں صدی ہجری کی راس پر یا آخر میں رونما ہونے والی ہیں۔ حج کو کیوں جاتے ہیں صرف اس لئے کے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کے رسول کا حکم ہے مقصد کچھ اور بھی ہوتا ہے ایک سوال ایک تجسس ایک شوق دل میں ہوتا ہے کہ جس دین پر ہم چل رہے ہیں اس کی ابتداء کا مقام دیکھیں اس کے مناظر کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کریں کہ اللہ کے خلیل اور اللہ کے حبیب ﷺ کا مسکن کیسا ہے ان ہستیوں کی قدمت اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کریں کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ہمیں ایمان جیسی کیسی عظیم نعمت سے نوازا۔ تو کیا جس خالق کائنات نے ہمیں شرف عالم بخش کر اشرف المخلوقات بنایا اس کے دربار میں حاضر ہونے کی کبھی تمنا نہیں ہوتی؟ نماز پڑھ رہے ہیں حج کر رہے ہیں روزہ رکھ رہے ہیں حرام سے اجتناب کر رہے ہیں حلال کی سعی کر رہے ہیں اس کے حکموں پر عمل کر رہے ہیں تو ضرور اس سے ملنے کی خواہش کہیں ہمارے لاشعور میں پنہاں ہے یوں ہی کوئی تابعداری نہیں کرتا۔ اگر آپ کسی ملٹی نیاشنل کمپنی یا ایوان حکومت میں کام کر رہے ہیں تو کوشش ضرور کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح کمپنی کے چیرمن یا کسی منسٹر کے قریب ہونے کی کوشش کریں اس قربت میں ایک دلخوش کن احساس ہوتا ہے کہ جناب کے ہاں میری رسائی ہے۔ اس بات سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا آپ کو اپنی حیثیت معلوم ہے یہ محض ایک دلکش احساس ہے ایک نشہ ہے سرور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا تو وہ روحانی پرواز ہے جس میں جتنی قابلیت ہوگی اس کی روحانی پرواز اتنی اونچی ہوگی۔ اور مرتبہ بھی بلند اللہ کی قربت کا معاملہ صرف ایک دلخوش کن احساس نہیں ہے یہ تو مراتب کی

وہ بلندی ہے جس کو پانے کا احساس ہر مومن کو ہوتا۔ یہ مرتبہ خود اعزازیل پانا چاہتا تھا مگر خودی انا اور تکبر میں اس نے کھودیا اور ابلیس لعین قرار ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیے گئے آدم کو جو پستی فروتنی اور عاجزی والے تھے ان کی اولاد کو عطا کیا اور اگر اب اولاد آدم میں جو اس کی 'لقاء' کی طلب کرتا ہے اسکو اس کا دیدار عطا ہو سکتا ہے اور جو اس کا یقین نہیں رکھتا اس کو دارالدنیا و دارالآخرت میں یہ ممکن نہیں۔

ایک حقیقت کی طرف غور کیجیے مہدیؑ موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش 14 جمادی الاول 847 ہجری ہے اور وفات 19 ذیقعدہ 910 ہجری۔ حضور ﷺ کی مکی زندگی 10 سال کی اور مدنی زندگی 13 سال کی سنہ ہجری رائج کی صحابہؓ نے اس وقت کسی کے دل میں یہ خیال نہیں تھا کہ 9 نویں صدی کی راس پر مہدیؑ موعود کا ظہور ہے مہدیؑ موعودؑ نے سنہ 910ھ میں وصال فرمایا مہدویت کا یا ہدایت کا اظہار مکمل ہوا مہدیؑ کا ظہور 9 صدی کی راس پر ہونا اس سے بھی ثابت ہوا۔ اسلام کا عروج ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت پر ختم ہے۔ مہدیؑ نے جس دن وصال فرمایا تب بھی آپ ہجرت میں تھے الیوم اکملت لکم دینکم...... جس دن آپ نے جونپور سے ہجرت کی تا وصال ہجرت میں رہے۔

ایک اور حقیقت دیکھیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے قمری حروف تہجی 19 ہیں۔ (ب س م ا ل ل ہ ا ل ر ح م ن ا ل ر ح ی م) اب اس انیس 19 کو الٹ دیں 91 اکانوے ہوگیا یا 910 میں مہدی کا وصال ہوا ہے یعنی ہدایت کا دور ختم یا اسلام و ایمان کا معاملہ اللہ کی ذات سے شروع ہو کر صفت رحمت اللعالمین میں ترقی و تدریج کے منازل طے کرتے ہوئے 'صفت رحیمی' 'احسان' پر ختم ہے۔ یہ وہ صفت ہے جو مومنوں کو 'دیدار' یعنی انتہائی رحمت جو رسول نبی کریم ﷺ کی بھی انتہائی طلب تھی۔ اب دیکھیے لفظ 'احسان' کے اعداد بھی طاق ہیں۔ الف 1 ح 8 س 60 الف 1 ن 50 حاصل جمع 120 جس کا حاصل 3 طاق۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ 'میں اللہ کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے پلاتا ہے' جب کھلاتا پلاتا تو کیا دیدار نہیں کراتا یہی احسان ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے نام نامی "محمد" کے حروف تہجی کے حساب سے 92 ہیں' اس سے بھی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ 9 صدی کے راس پر خاتم ولایت محمدیہؐ کا ظہور ہے۔ یہاں 9 کے بعد 2 کا اشارہ یہ بتاتا ہے کہ نویں صدی کے 'بعد' دوسرے محمد ہیںؐ جو کہ خاتم الانبیاء کے نظیر ہیں' جس کا ذکر آگے ہے۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تاریخ وفات سنہ عیسوی یا شمسی تاریخ کے حساب سے 8 جون 632AD پر سب متفق ہیں' لیکن تاریخ پیدائش 20 اپریل

571AD میں اختلاف ہے۔علی المعنی الکاف کا کہنا ہے کہ آپ کی تاریخ پیدائش 570-5-5 ہے۔ اور آپ کا وصال 632-6-8 ہے۔اب اگر ہم اس میں سے حیات کے سال نکالیں تو آپ کی عمر مقدس 62 سال 1 مہینہ 3 دن ہوئی۔اگر پرانی تاریخ نکالیں تو 61 سال 1 مہینہ 12 دن ہوتے ہیں۔اس لئے ہم نئی تحقیق کے مطابق دیکھتے ہیں تو عام روایات صحیح معلوم ہوتی ہیں۔کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے 63 سال شروع ہوئے ہی تھے کہ وصال ہوا'اب ان 3+6 کو جمع کریں حاصل 9 ہوا۔یعنی ہدایت کا دوبارہ ظہور (راس کے معنی ٹھیک 'سرا' زاویہ کی نوک وغیرہ) اب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف حجی کو دیکھیں جو 19 ہیں (ب س م ال ل ہ ال۔ر۔ح م ن ال رح ے م) ان الفاظ میں 'ر' درمیان میں رہ گیا ایک طرف سے 9 دوسری طرف سے 9 لفظ جدا کرلیں جمع کرنے پر 18 جس کا حاصل 9 ہے۔اب ایک لفظ 'ر' رہ گیا اس کے اعداد ہیں 200 اب ان دوسو کو 786 میں سے نکال لیں باقی رہے 586 جس کا حاصل عدد 6+8+5=19 جس کا حاصل 1 یعنی ذات واحد و لاشریک۔ایک ذات دو صفات اس 19 کا الٹ 91 نویں صدی کے راس پر دوسرے محمدؐ۔یا یوں بھی کہیں کہ ایک اللہ ایک ہادی ایک مہدی۔یعنی 19 میں سے ذات واحد کا 1 وضع کرلیں تو باقی بچے 18 حاصل 9 اور نو کا عدد ,اعداد میں زیادہ value کا عدد ہے یعنی 1 اور 9 اعداد کا آلفا Alfa اور میگا Mega ہیں۔اس کا مطلب اللہ کی ذات کے بعد صفت رحمت اللعالمین (محمدؐ) اور صفت احسان (مہدی) کے درمیان کسی نبی رسول اور ہدایت یافتہ کی زمین پر بعثت متوقع اور ممکن نہیں۔یعنی مہدی آخرلزماں سے پہلے اور بعد کا کوئی بھی دعوئ مہدی جھوٹا ہوگا اور نہ اب؟ کوئی مہدی آئے گا۔9 اور 19 سے حاصل جمع کی حقیقت یہی بتاتی ہے۔اگر ممکن ہے تو 19 کے مدمقابل یا الٹ 91 یا دوسرے معنوں میں 910 زمانہ سال دہجری میں متوقع ہے۔یعنی ایک اللہ برتر قدیم اور معبود۔دوسرے 'محمدؐ' جو تعریف کے گئے 'حمد' کیے گئے اور تیسرے مہدیؑ موعود آخرالزماں جو پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں۔اب ایک اور حقیقت دیکھئے مہدیؑ موعودؑ کی پیدائش سنہ ہجری 847 میں ہوئی اب اس کو جمع کریں 7+4+8=19 جیسا پہلے کہا 19 کا الٹ **91** یعنی 847 سنہ ہجری سے 910 سنہ ہجری کا زمانہ جو 63 سالوں پر محیط ہے وہ ختم ولایت محمدیہؐ کا زمانہ ہے۔یعنی مہدی کی آمد کا زمانہ یا دوسرے محمد یا ختم ولایت محمدیہؐ کا ظہور۔آج پانچ صدیوں بعد ہم اس حقیقت کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں جس طرح صحابہ رسول ﷺ نے ہجری رائج کرتے وقت نویں صدی میں مہدیؑ کی آمد کا خیال

نہیں تھا اسی طرح مہدویہ اور غیر مہدویہ مورخوں وقایع نگاروں کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت سید محمد جونپوری کے مہدیؑ موعود آخرالزماں کی حقیقت کے اشارے قرآن احادیث اور دیگر علوم سے ثابت ہیں۔

قرآن میں حروف مقطعات 14 اور یہ 29 سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔اور ان میں 14 الفاظ حروف تہجی جیسے ''الف ل م ر ک ھ ی ع ص ط س ق ن ح'' ہیں۔ان میں سے سب سے کم value کا لفظ 'الف' ہے اور سب سے زیادہ کا 'ق' جس کے 100 عدد ہوتے ہیں 100 کا مطلب بھی 1 ہی ہے۔اس لئے کہ علم العداد میں 0 صفر کا کوئی مرتبہ نہیں۔اس طرح حروف مقطعات میں سب سے کم اور سب سے زیادہ عدد میں وحدت خداوندی کا اشارہ ہے۔

علم العداد کی حقیقت میں خدائی نظام کارفرما ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے 7 آسمان بنائے اور 7 زمین اللہ کے 4 مقرب فرشتے ہیں رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں 313 نبی رسول آئے علماء کہتے ہیں کہ معرکہ بدر میں 313 صحابہ رسول ﷺ تھے جو انبیاء کی نیابت کررہے تھے۔اللہ تعالیٰ کے 99 نام صفاتی اور ایک نام ذاتی ہے جو کوئی نہیں جانتا۔اللہ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔تمام علوم کا خالق اللہ ہی ہے اس نے انسان کو صرف ان کے استعمال کے ترکیب عناصر کا علم دیا ہے۔اب چاہے کوئی اسے حق کی حقیقت کے لئے استعمال کرے یا بے راہ روی یا بے دینی کے لئے۔

تلاش حق کے لئے جائز ذرایع تلاش کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔ایک مسلمان کسی انجان مقام پر چلا جاتا ہے جہاں پر سمت قبلہ کا پتہ نہیں ہو تو کوشش کریگا کہ سمت قبلہ معلوم کر کے نماز پڑھے' یا یوں ہی جدھر منہ اٹھا یا رکعت باندھے گا؟۔صحابہ آیمہ وصالحین نے مسائل اور ان کا حل قرآن میں تلاش کیا نہ معلوم ہونے پر احادیث میں'اس کے بعد صحابہ کی زندگیوں میں اس کے بعد اس پر اجماع کیا اور امام اعظمؒ نے قیاس کو بھی جایز رکھا۔اور مہدیؑ موعود آخرالزماں کا مسئلہ تو رسول اللہ ﷺ کے مطابق ضروریات دین سے ہے۔کیا اسے حق میں تلاش نہیں کرنا چاہئے۔

اب محمد رسول عربی ﷺ کے نظیر کی بھی کچھ بات ہوجائے اس ضمن میں مفکر ملت محمد نادار خاں بوزیٔ صاحب نے اپنی تحریر'اصول احدیت وتثنیہ' میں اس نظیر کی وضاحت اس طرح کی ہے۔''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:لیسی کمثلہ شیی ء نہیں ہے کوئی چیز اس کی مثل ؑ یہ آیت قل ھو اللہ احد کی تفسیر بھی ہے تنزیہ کا تقاضہ بھی اور اصول احدیت بھی۔'احد' (یکتا) زماں ومکاں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔وہ ہمیشہ

ہے'احد'تھا'احد'ہے اور'احد'ہی رہے گا۔اور چونکہ آیت مذکور تصدیق کررہی ہے صرف وہی ذات وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ہے'اور اس کا کوئی ہمسر نہیں' کی مصداق ہے۔اسی وجہ سے باقی سب کا کم از کم ایک'ہمسر'ہونا ضروری ہے۔ورنہ احدیت ختم ہو جاتی ہے اور شرک قائم ہو جاتا ہے۔چنانچہ سورۂ یٰسین میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سوال کرتا ہے کہ اَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط جس نے زمین وآسمان پیدا کیے ہیں'کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انہی (جیسے لوگوں) کی مثل پیدا کردے؟....پھر خود اسی آیت میں جواب بھی مہیا کرتا ہے کہ قیاس کی گنجائش نہ رہے اور انسان غلط تاویل اور فن کلام کی خود ساختہ اور دور از کار ترکیبوں اور باطنی معنوں کا کمال نہ دکھا سکے فرماتا ہے:بَلٰى وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ہاں!(کیوں نہیں وہ تو خلاق (سب سے بڑا) علیم ہے.....متذکرہ بالا اصول تثنیہ کا اثبات سورۂ الرحمٰن کے بعض آیات بڑی عمدگی سے مہیا کرتی ہیں۔جس میں دو مشرق دو مغرب دو دریاؤں دو چشموں دو باغات میوں کی دو اقسام دو جنتوں کے وجود کا ذکر آیا ہے(سرمایہ فکر)

اب محمد ﷺ کے اسی نظیر کی حقیقت ملاحظہ ہو'جیسا کہ ہم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ایک ذات دو صفات محمد ﷺ محمد مہدیٔ موعود کا ہونا اس سے پہلے بتایا تھا۔اور محمد ﷺ کے حروف تہجی کے اعداد 92 ہونا بتایا اور 9 صدی کے بعد 2 دوبارہ خاتم ولایت محمدؑ کے ظہور کے اشارے کو سمجھنے کی کوشش کی۔اسی طرح حضور رسول مقبول نبی کریم ﷺ اور میراں سید محمد جونپوری مہدیٔ موعود علیہ الصلاۃ والسلام کی تاریخ پیدائش و وفات بحساب سنہ عیسوی یا شمسی سال ومہینہ میں ایک نظم وضبط اور تطبیق ہے جیسا کہ سنہ ہجری میں ہے حضور ﷺ کی تاریخ پیدائش سنہ عیسوی 5-5-570AD (5th May 570 Monday) ہے اور مہدیٔ موعودؑ کی 14-9-1443AD (14th September 1443 Monday) اب سال 1443 میں سے 570 وضع کریں باقی بچے 873۔اب حضور ﷺ کی تاریخ وصال لیں جو 8-6-632 ہے اور مہدیٔ موعود کی تاریخ وفات لیں 24-4-1505 ہے۔اب سال 1505 میں سے 632 وضع کرلیں باقی بچے 873 یعنی 3+7+8=18 جمع 9۔یعنی اس 873 کا کرشمائی عدد جس کا حاصل 9 ہے جو خاتم نبوت ﷺ اور خاتم ولایت محمد یہ حضرت میراں مہدیٔ موعودؑ کا سنہ عیسوی یا شمسی تاریخ ولادت و تاریخ وصال کے اعداد ایک ہیں جو مورخوں اور سوانح نگاروں نے چودہ صدیوں پہلے'اور پانچ صدی پہلے بیان کیے ہیں اور آج کے ترقی یافتہ علم ریاضی کو ان دنوں کوئی جانتا نہ تھا۔اب ہم اس میں غور کرتے ہیں تو چودہ اور پانچ صدی کی اس حقیقت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو 2 ذات یعنی خاتم نبوت

ﷺ اور خاتم ولایت مہدیؑ موعود آخر الزماں سید محمد جونپوری کی بعثت' ہدایت کے مقصد میں ایک
دوسرے سے ملحق ہیں۔ جیسے ہم نے کہا دو صفات دو محمدؐ ہیں ایک کی بعثت 570 سے 632 سنہ عیسوی تک
اور دوسرے کی 1443 سے 1505 تک مبعوث ہوئے ہیں۔ اور ان دو ذات دو محمدؐ کے پیدائش و وصال
کے اعداد کا حاصل 873 اور اس کا 18 اور اس کا 9۔ یہ ایک صاف اور واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
پیغمبر اور رسول کی ولایت کے خاتم کا ظہور یا ہدایات کاملہ کا دوبارہ ظہور نویں (9) صدی ہجری میں یا 900
ویں سال میں۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا یہ ایک جامع اور ایک دوسرے سے منضبط نظام
عمل Interlocking system جو اشارہ کر رہا ہے کہ 873,847 اور 910 کے گرداگرد آس
پاس یا درمیان میں ختم نبوتؐ کے ختم ولایت کا مرحلہ پیش آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا انعام عظیم
''دیدار'' یا احسان کی تعلیم کا دور ہے۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جب سب سے بڑے یا عظیم انعام کا اعلان
ہوجاتا ہے تو پھر مجلس یا محفل برخاست ہوجاتی ہے۔ بس اب برخاستگی محفل یا قیامت کا مرحلہ باقی ہے۔ جس
کے اختتام یا تکمیل حضرت عیسیٰؑ کی ہاتھوں ہونی ہے۔ جس کا اشارہ: کیسے ہلاک ہوگی میری امت جس کے
اول میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم درمیان میں میرا فرزند مہدی کی حدیث پاک میں ہوا ہے اس
طرح نبوت و ولایت محمدیہ ﷺ کی تکمیل ہوتی ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم
نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا یعنی دین کی بنیاد کی اساس دو محمدؐ پر ختم ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے
ہیں مہدیؑ موعود کا ظہور نویں صدی کی راس پر ہے۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھی اس حقیقت کو واضح کیا
گیا ہے اس میں 'اللہ' کے لفظ میں ''الف'' پہلا حرف ہے اور ابجد کے عالم کہتے ہیں کہ اپنی ادائیگی کیلئے
'الف' ہمیشہ دوسرے حرفوں کا محتاج ہوتا ہے اسی لئے اللہ کے الف کے ساتھ دو 'ل' ہیں جو الوہیت (خدائی
ربانیت معبودیت) کا مظہر ہے۔ جبکہ الرحمٰن الرحیم میں 2 'ر' 2 'ح' اور 2 'میم' ہیں اگر ر۔ ح۔ م کو
جوڑ دیں تو لفظ رحم ہوتا ہے۔ یعنی ایک ذات واحد معبود برحق کی دو دو (2 اور 2) صفات رحم کی۔ رحمت
اللعالمین ﷺ اور دافع ہلاکت امت محمدیہ ﷺ۔ امت کو ہلاکت سے بچانا بھی تو رحم ہی ہے۔ اب اس
ابجد قمری کے حروف تہجی کے لحاظ سے اس دو (2) رحم کے الفاظ کو رحمٰن و رحیم سے الگ الگ کرتے ہیں تو
یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ 'ر' کے 200 عدد 'ح' کے 8 عدد 'میم' کے 40 جمع 248x ضرب 2=496 اب
اس 496 کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے 786 میں سے وضع کرلیں باقی بچے 290 انہیں جمع کریں
0+9+2=11 جمع 2 یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں رحم کی صفات کو ضرب بھی دیتے ہیں تو نتیجہ 2 یعنی دو

محمدؐ رحمت عالمؐ دافع ہلاکتؐ۔ چنانچہ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اللہ سب سے بڑا اور سب سے جامع اور ذاتی اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ لِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حسن وخوبی کے نام ہیں (صفتیں) پس چاہئے کہ تم ان صفتوں کے ساتھ اس کو پکارو اللہ لفظ ذات باریؑ کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتے۔ بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام صرف ''ہ'' جو ضمیر غیب ہویت پر دلالت کرتا ہے اور الف و''لا'' تعریف کے لئے آیا ہے۔ رحم کی دو صفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہم نے دیکھیں۔ مگر اللہ کے نام کا پہلا حرف الف ہے اور الف اپنی ادائیگی کے لے دوسرے حرفوں کا محتاج ہوتا ہے۔ جس طرح رحمٰن رحیم میں دو مرتبہ رح م ہے اللہ میں الف کے ساتھ دو لام ہیں جو الوہیت سے مزین ہیں۔ مراۃ الاسرار میں ہے کہ تصوف کے تین مراتب ہیں ''احدیت'' جس سے مراد ذات لاتعین ہے۔ ''وحدت'' سے مراد حقیقت محمدیہؐ ہے۔ ''وحدایت'' سے مراد حقیقت انسان ہے۔ ہم اس آخری حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ 'وحدایت' سے مراد''وہ'' حقیقی انسان جس نے اللہ کو دیکھا' دکھایا اور دیکھنے کی تعلیم دی۔ اگر اسی کو اہل تصوف کے معنی میں بیان کریں تو ایک ہمہ اوست بھی ہے اور ہمہ از اوست ہے کبھی کچھ وہی اور کبھی کچھ اسی کا۔ اس کی مثل یہ ہے کہ ہم ایک بہت بڑی آرگنائزیشن میں کام کر رہے ہیں جس کی شاخیں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم اس کا حصہ 'ہیں بھی اور نہیں بھی'۔ ہم بس ایک کل پرزے کی طرح ہیں ہمارے ذمہ جو کام ہے ہم وہی کرتے ہیں۔ ہم سے یہ آرگنائزیشن ہے! ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ جیسے ہم نے کہا 'بسم' اور 'اللہ' کے اعداد طاق ہیں یہ تقسیم نہیں ہوتے' لیکن رحم منقسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کی نظیر مہدیؑ موعود آخرالزماں ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہدی مجھ سے ہے۔ تصوف کے مراتب کو دیکھیں 'احدیت' یا ذات لاتعین کے معلم حقیقی محمد ﷺ ہیں اور اس کے مبین حقیقی مہدیؑ موعود علیہ السلام ہیں۔ جن کے بارے میں سورۂ الرحمٰن میں بتایا گیا ہے۔ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اور اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے اس کا بیان سکھایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے (محمد ﷺ) کے ذریعہ قرآن کی تعلیم دینے کے بعد انسان (مبین کلام اللہ) کے ذریعہ اس کا بیان کیا اور ان دو ذات معلمؐ اور مبینؑ کی بعثت کا اصل مقصد ہے ''بصیرت حق'' ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو دے رہا ہے۔ کہ کہدو (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں بصیرت کی بنیاد پر میں اور میرا تابع۔ (سورہ یوسف ۱۰۸) معلم اور مبین۔

اس علم ریاضی کی مشق (Exercise) کا سبب بنی یہ حدیث مبارکہ ''کیسے ہلاک ہوگی میری

امت جس کے اول میں مَیں ہوں آخر میں عیسٰی ابن مریم اور درمیان میں میرا فرزند مہدی ہے۔اور ان کے درمیان تیڑھے لوگ ہیں۔" آخر نبی کریم ﷺ نے اپنےؐ اور عیسٰیؑ کے درمیان جو نبی رہ چکے ہیں مہدیؑ کا بیان کیوں کیا؟ اس کا صاف مطلب یہ کہ ایک خاتم الانبیاؐ اور سابق نبیؑ کے درمیان ذکر کیا جانا بتا رہا ہے کہ مہدیٔ موعود عام انسان نہیں ہیں بلکہ یہ حدیث مبارک صاف بتا رہی ہے کہ وہ "ملحق بہ انبیاء" ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا نبی بعدی تو پھر یہ ملحق بہ انبیاء کیا ہے؟ ملحق کے معنی جڑا ہوا' مسلک' جڑنے والا اور پیچھے سے آکر شامل ہونے والے کو بھی کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ یا نائب کہا ہے۔نائب کے معنی قائم مقام' مددگار اور مختار کے ہیں۔آدمؑ کو ایسا کیا اختیار دیا گیا تھا وہ اللہ کی کیا مدد کر سکتے تھے اور کونسی چیز کے مختار تھے؟۔مطلب یہ کہ آدمؑ اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت کے ظاہری اعمال و احوال کے قائم مقام تھے' جو اللہ کے بندوں کو اس کی عبادت و ریاضت کے احوال میں مددگار رہتے۔یا ان کی اولاد میں انبیاء و رسول اس کے لئے معمور کئے جانے والے تھے۔ایسا ہی کچھ خلیفۃ اللہ مامور من اللہ مہدی انبیاء کی شریعت کے اعمال یا عمل صالح جو خدا کے بندوں کو واصل بحق کرانا تھا اسی کڑی یا سلسلے سے ملحق تھے اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنےؐ اور عیسیٰؑ کے درمیان ہونا بیان کیا۔جس سے زمانے کا وقفہ اور دوسرا ولایت انبیاء مقیدہ کے خاتم ہونے کا مقام معلوم ہوتا ہے۔جس میں نبوت میں مشارکت نہ ہوتے ہوئے بھی مہدیٔ موعود آپ ﷺ کی نبوت کی ولایت تامہ کے زندہ کرنے والے ہیں۔ملحق بہ انبیاء ہونے کے لئے نبی رسول ہونا ضروری نہیں ہے۔بلکہ مامور من اللہ ہونا ضروری ہے' قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: وَ اَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّملُ ہم نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی' تو کیا شہد کی مکھی اوصاف انبیاء سے متصف ہوگئی؟ انسان اشرف المخلوقات ہے رسول اللہ ﷺ نے مہدی کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بتایا ہے اور اللہ کا خلیفہ مخلوق انسان میں اللہ تعالیٰ کا نائب یا قائم مقام ہے۔اس پر بلا واسطہ تعلیم کیا جانا حق ہے۔اس لئے مہدیٔ موعود کی حقیقت کو ہم نے ملحق بہ انبیاء ہونے کی بنیاد پر علم ریاضی کے ذریعہ آپ کے متبوع ﷺ کے زندگی کے اور احکام خداوندی کی دوسری حقیقتوں میں جاننے کی کوشش کی۔جس سے بیان کردہ نتائج برآمد ہوئے۔۔واللہ اعلم۔نتیجہ حالات اشارے شواہد ثبوت نظم و ضبط ریاضی کا سلسلہ و قرینہ حقیقت کی طرف صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت سید محمد جونپوری ہی مہدیٔ موعود آخر الزماں علیہ السلام ہیں۔تیڑھے لوگوں کا درمیان میں ہونا بتا رہا ہے کہ یہ لوگ رسول ﷺ اور مہدی کے درمیان

بھی ہوسکتے ہیں مہدی موعودؑ اور عیسیٰ کے درمیان بھی' جو زمانے کے ہر دور میں موجود رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ کے نبی رسول پیغمبر اور خلیفہ اللہ ماموریت من اللہ سے زیادہ ان کا علم یا ان کی سمجھ اور عقل ہے۔ جس کا یقین مستحکم اور پختہ ہے وہ مصدق ہے' ایمان یقین کو کہتے ہیں۔ جس کو یقین حاصل نہیں وہ لعین ہے۔

اس سے پہلے ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا یہ ایک جامع اور ایک دوسرے سے منضبط نظام عمل Interlocking system جو اشارہ کر رہا ہے کے 873,847 اور 910 کے گرداگرد آس پاس یا درمیان میں ختم نبوتؐ کے ختم ولایت کا مرحلہ پیش آنے والا ہے۔ اس کی تفصیل اور ثبوت یہ ہے کہ مقدمہ سراج البصار صفحہ ۴۹ پر تاریخ فرشتہ اور تاریخ سلیمانی کے حوالے سے مذکور ہے کہ حضرت مہدیؑ علیہ السلام کے جذبہ حق کا آغاز 875ھ سے ہے' اور یہ دلیت رائے سے آپؑ کے جہاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر 28 سال تھی اس کے بعد آپ کو 12 سال کا جذبہ حق رہا۔ اور امام علیہ السلام نے 887 سنہ ہجری میں 40 سال کی عمر جونپور سے میں ہجرت فرمائی۔ اور 23 تئیس سال تک ہجرت میں رہے۔ اس درمیان صرف چاپانیر' احمد آباد' پیران پٹن اور بڑلی میں 18 مہینے قیام کیا اور کہیں اتنا عرصہ قیام نہیں کیا اور بڑلی ہی میں 905ھ میں آپ علیہ السلام نے دعویٰ موکد کیا تھا۔ اور اس سے پہلے 900 یا 901 ہجری کے اول میں سفرحج کیا۔ اور پروفیسر محمود شیرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: سفر ہجرت میں آپؑ کے ہمراہ 900 لوگ تھے ان میں بیوی بچوں والے 360 تھے دوسری روایت میں 2200 سو افراد تھے جن میں 900 بیوی بچوں والے اور 1300 مجرد تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور مہدیؑ موعود کی تاریخ شمسی میں مشترک جو 873 کا عدد ہے وہ سنہ ہجری کے 875 میں متحرک ہے' اسی سال مہدیؑ علیہ السلام نے ہجرت کا آغاز کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تاریخ شمسی اور سنہ ہجری یا تاریخ قمری دو الگ سنہ ہیں' جواب یہ کہ ہجری یا تاریخ قمری کا آغاز رسول مقبول ﷺ کی مکی زندگی سے نہیں مدنی زندگی یا ہجرت کے واقعہ سے شروع ہے۔ اور دور نبوت 23 سالوں پر محیط ہے۔ ہم دور نبوت کے مکی زندگی کے 10 سالوں کو تاریخ اسلام سے الگ نہیں کرسکتے۔ اس لئے سنہ عیسوی میں رسول ﷺ اور مہدیؑ آخرالزماں کے پیدائش اور ولادت میں مشترک 873 عدد کی حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا' اسی لئے 875 ہجری میں دور ولایت کا آغاز مہدیؑ موعود کے جذبہ حق کے 12 سال سے شروع ہوا ہے اور 887 ہجری میں 40 کی عمر میں آپؑ کی ہجرت کا آغاز ہوا۔ وہ اس کا ثبوت ہے کہ حضرت میراں سید محمد جونپوری کی ذات ہی مہدیؑ موعود آخرالزماں ہے۔●

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور) (قسط اوّل)

قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر میں تحریف؟

اہل علم میں اس موضوع پر بہت کلام ہوا ہے کہ آیا قرآن مجید کا ترجمہ ممکن ہے؟ ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیئے کہ قرآن مجید کا کماحقہ ترجمہ کسی سے بھی ممکن نہیں۔ قرآن مجید ایک روشن کتاب ہے، وہ خود اپنی تفسیر بھی ہے اور ترجمہ بھی, اللہ تعالیٰ نے اسے نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے, وہ انسانی تفسیر اور تشریح کا مطلق محتاج نہیں۔ ہاں مگر! اس کو سمجھنے اور اس سے کماحقہ فیض حاصل کرنے کے لئے معرفت الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہدیٔ موعود علیہ السلام نے فرمایا "برائے فہمیدن قرآن نور ایمان بس است" یعنی قرآن کو سمجھنے کے لئے نور ایمان کافی ہے۔ اور قرآن مجید کوئی علمی یا ادبی کتاب نہیں ہے کہ محض لغت کی مدد سے اس کے مطالب بیان کئے جائیں۔ بعض علماء نے مطلق طور پر لغت عرب کو مستقل ماخذ ماننے سے انکار کیا ہے۔ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ "لغت کے ذریعہ سے قرآن کی تفسیر کرنا مکروہ ہے۔ اس کی ایک مثال یہ کہ موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اضرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ (اعراف ۱۶۰/ بقرہ ۶۰) سبھی کے نزدیک اس کے معنی 'اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارنا ہے' لیکن سرسید احمد خاں نے عام محاورہ ترک کر کے لغت کا سہارا لیا "اے موسی اس لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر چلو" عربی زبان میں ضَرَب کے معنی مارنا بھی ہے بیان کرنا بھی' سورہ یٰسین میں ہے کہ: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اور بیان کران کے لئے مثال بستی والوں کی۔ قرآن مجید کے انہیں غلط ترجموں کی نشاندہی قاری رضاء مصطفیٰ اعظمی نے یوں کی ہے۔ "جب ہم دنیا بھر کے تراجم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوکر سامنے آتی ہے کہ اکثر مترجمین قرآن کی نظر الفاظ قرآنی کی روح تک نہیں پہنچ سکی اور ان کے ترجمہ سے قرآن کریم کا مفہوم ہی بدل گیا۔ بلکہ بعض مقامات پر توسہواً یا قصداً ترجمہ میں ان سے تحریف بھی ہوئی ہے۔ عالموں کا خیال ہے کہ ترجمہ بجائے خود ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں سوائے معانی کے کلام کی تمام حالتیں بدل جاتی ہیں۔

خلیفۃ اللہ مہدیٔ موعود علیہ السلام کا مبین کلام اللہ مراد اللہ ہونا ایک حقیقت ہے' لیکن مترجموں اور موجودہ دور کے مفسروں نے اپنے تراجم میں لفظ ومعنی کا ایسا الجھاو اعلمی موشگافیوں کا طومار کھڑا کردیا ہے جس سے ایک عام مسلمان تردد، شش وپنج اور ذہنی خلجان میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ قرآن نے تحقیق وتدقیق اور علمی انکشافات کا دروازہ کھولا ہے' اور یہ قرآن ثقیل حروف' دقیق محاورات' رکیک محاورات سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف مہدویہ کو صرف معاندین ومخالفین کو حقیقت کی طرف

راغب کرنے انہیں سچائی سے متعارف کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن آج ملت کے علمائے حق اور راہ حق، صراط مستقیم پر گامزن افراد کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مخالفین و معاندین کے علاوہ دوسرے گروہوں طائفوں اور عقائد کی تعلیمات سے متاثر افراد ملت کو حقیقت سمجھانے اور بتانے کی ضرورت ہے جو دینی علوم کے ساتھ عقیدہ مہدویہ سے ناواقف ہوتے جارہے ہیں ان میں سب سے بڑی مشکل ان افراد کی ہے جو نفاق اور بے دینی میں مبتلا ہیں اور ان کی پشت پناہی وہ لوگ کررہے ہیں جو اغیار کی تعلیمات سے متاثر ہیں، اور اپنی ذاتی رنجش، خاندانی منافرت اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے عقیدہ و مذہب کو ان کی وجہ کا مشق کا اکھاڑا بنالیا ہے، اس معاملے میں اس حد تک گزر گئے ہیں کہ صحیح عقیدہ و مذہب پر قائم رہنے کو ظلم قرار دے رہے ہیں، اور ان کی کارستانیاں کسی سے پوشیدہ بھی نہیں ہیں۔ اور اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ موروثی مسند ورشد و ہدایت کو اس کا ذریعہ بنالیا ہے۔ جہاں سے ایمان و عقیدہ میں جھول پیدا کر کے وہ اپنی انا کے زعم میں خودنمائی خود پرستی کے طور پر بے بنیاد مسائل پیدا کر کے خود کو مجتہد اور مجدد ثابت کرنے کا جنون اس حد تک ہے کہ لگتا ہے کہ ایمان و عقیدہ کے روحانی سوتے وہاں پر خشک ہو چکے ہیں، ایسے میں وہاں سے فیض روحانیت و علم و دانش کیسے حاصل ہوسکتا ہے، بہرہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔ ان حالات میں یہ کیسے نظر آئیگا کہ خدا کے دشمنوں نے قرآن مجید میں کیسی تحریفیں اور اضافتیں پیدا کردی ہیں کے باطل کو حق سے الگ کرنا عام افراد امت کے بس سے باہر ہے۔

ہم نے قرآن مجید کے انہیں روایتی طریقوں کا جائزہ ان آیات کے سیاق میں لیا تا کہ ان ترجموں کی حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ قرآن یہود و نصاریٰ سے کہتا ہے کہ "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَا ضِعِہٖ ط نسا/۴۶۔ وہ الفاظ کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ اور قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط عنکبوت ۴۸ یہ کھلی کھلی آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔ مگر اہل قرآن ترجمہ و تفسیر میں کیسی تحریفیں اضافتیں اور قیاستیں کرتے ہیں انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ ان کے دلوں سے خوف خدا معدوم ہو چکا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبرﷺ جن پر قرآن نازل ہوا ان سے کہتا ہے کہ" قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ یونس/۱۶۔ اے پیغمبر کہدو! کہ مجھ کو یہ حق نہیں ہے کہ میں قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ حالانکہ قرآن باضابطہ اعلان بھی کرتا ہے کہ" وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ط قمر/۵۴۔ ہم نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے' کیا کوئی سمجھنے والا ہے/ نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟۔ امام فخرالدین رازیؒ کہتے ہیں کہ قرآن کی بہت سی لطافتیں' نزاکتیں اس کی ترتیب آیات میں

مخفی ہیں۔ اگر انسان ان میں غور کرے تو اس کو قرآن میں زیادہ لذت ملے۔ ان تفاسیر اور تراجم کے تعلق سے ان سے سنئے جو غیر مہدویہ ہیں' ابونعمان بشیر احمد نے اصول تفسیر میں لکھا ہے کہ " قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا' اس کے اولین مخاطب حجاز کے عرب تھے جنہیں اپنی زبان دانی فصاحت بلاغت و خطابت پر بہت ناز تھا۔ قرآن مجید نے جو اسلوب اور پیرایہ اختیار کیا اس کے سامنے تمام عرب اور اس کے شعراء اور فصحا شرمندہ ہو گئے۔ ان کے دلوں میں یہ حقیقت جاگزیں ہو چکی تھی اور وہ اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ہٹ دھرم شرک و بدعات کی ایسی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے کہ ان میں سے بہت کم لوگوں نے اس سے نور ایمان حاصل کیا۔ قرآن فہمی کے لئے جس تقویٰ وطہارت کی ضرورت ہے اس سے مشرکین کوسوں دور تھے۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کے مطالب محض لغت سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ محض زبان دانی اس کے مفاہیم کو سہولت دیتی ہے۔

تمام قرآن مجید کے ترجمہ کی بات ہی کیا! سورہ رحمٰن کی ابتدائی آیات کے ترجموں کی یہ چند مثالیں دیکھیں۔ اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

1) رحمٰن نے سکھایا قرآن' بنایا آدمی' پھر سکھائی اس کو بات (شاہ عبدالقادر)۔ 2) رحمٰن نے سکھایا قرآن' پیدا کیا آدمی کو' سکھایا اس کو بولنا (شاہ رفیع الدین)۔ 3) خدا آموخت قرآن را۔ آفرید آدمی را و آموختن سخن گفتن (شاہ ولی اللہ)۔ 4) خدائے رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی' اسی نے انسان کو پیدا کیا' اس کو گویائی سکھائی (عبدالماجد دریابادی)۔ 5) رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو گویائی سکھائی (اشرف علی تھانوی دیوبند/ فتح محمد خاں جالندھری)۔ 6) جنوں اور آدمیوں پر خدائے رحمان کے جہاں اور بے شمار احسانات ہیں ازاں جملہ یہ کہ اسی نے قرآن پڑھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو بولنا سکھایا (ڈپٹی نظیر احمد دیوبند)۔ 7) رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ما کان و ما یکون (جو کچھ ہوا جو کچھ قیامت تک ہوگا) کا بیان انہیں سکھایا (احمد رضا خاں بریلوی)۔ 8) رحمٰن نے قرآن سکھایا' اسی نے انسان کو پیدا کیا' اور اسے بولنا سکھایا (محمد جونا گڑھی) ان سب کے علاوہ لفظ بہ لفظ ترجمہ بھی دیکھئے۔ رحمٰن۔ اس نے سکھایا قرآن۔ اس نے پیدا کیا انسان۔ اس نے سکھایا بات کرنا۔ مگر تفسیر جلالین کے مترجم مفسر محمد جمال بلند شہری دیوبندی نے تو حد ہی کر دی ہے۔ " رحمٰن نے جس کو چاہا قرآن سکھایا۔ انسان یعنی جنس انسان کو پیدا فرمایا۔ اور اس کو گفتگو کرنا سکھایا۔ یہاں لفظ " جس کو چاہا " پر غور کیجیے' اس کے بعد قرآن سکھلا دیا' اس کے بعد اور کسی دلیل کے کہہ دیا کہ (تمام) ' جنس انسان کو' یعنی حامل قرآن جن پر قرآن نازل ہوا انہیں کو' حذف' کر دیا' جس کو چاہا

اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھادیا' یا تنزیل قرآن تمام انسانوں پر ہوتا ہے۔ یہ انداز کلام وہابیت کی کھلی ترجمانی کر رہا ہے۔ جن کے پاس رسول اللہ ﷺ تو "محض" (نعوذ باللہ) ایک عام انسان ہیں دوسرے انسانوں کی طرح وہ معصوم نہیں ہیں'۔ اور اس کے بعد ان کی اس تشریح کا انداز بیان بھی دیکھ لیں۔ "کچھ لوگ الرحمٰن کو مبتداء مابعد خبر مانتے ہیں تعدیہ اور اقامت حجۃ کے طور پر خبر بغیر عطف کے متعد بھی ہو سکتی ہے۔"

یعنی اسم رحمٰن خالق علم کی خبر ہے جو آغاز اور ابتداء ہے۔ اور معلم انسانیت ﷺ کو قرآن کی جو تعلیم دی گئی ہے ایسی تعلیم بہت یا کئی لوگوں کی جماعت کو بھی ہونا حجت یعنی اس بات کی دلیل ہے اور یہ خبر عام امت کی طرف عطف یا پھیر دی گئی ہے' اس لئے یہ خبر بیان قرآن کی 'متعد' یا امت کے بہت افراد کو شامل ہے۔ اس کا سیدھا سیدھا مطلب ہے ہر امتی بیان قرآن کا حامل ہے۔ یہاں ہم اِن مترجموں کی نحوی' صرفی اور لغوی تشریح کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مبتداء' اصطلاح علم نحو میں جملہ اسمیہ کا پہلا جز ہے۔ اس کے معنی آغاز، اول، ابتداء ہے۔ تعدیہ کہتے ہیں فعل لازم کو متعدی بنانا (نحو میں وہ فعل جو مفعول کو چاہے، اور یہاں ایک فعل کے کئی فاعل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تسہیل صرف ولغت میں یہ لازم سے معتدی ہوتا ہے یعنی صرف ایک مفعول کا اضافہ کیا جاتا ہے مگر انہوں نے یہاں کئی مفعول بنانے کی کوشش کی ہے) اقامت۔ کے معنی قیام سکون قرار کے علاوہ باجماعت کو کہتے ہیں حجت۔ دلیل اور برہان کو۔ عطف۔ پھیرنا موڑنا دو کلموں کو ملانا ('یا' 'واو') متعد۔ معنی تھوڑے' چند' بہت' کئی۔ محمد جمال بلند شہری نے علم نحو وصرف کا ایسا اچھا نسخہ دیا ہے کہ امت مسلمہ کے سیدھے سادھے لوگوں کو چکر آنے لگیں اور وہ چاروناچار ان کی اس تشریح کو مان لیں کہ رحمٰن نے ہر مسلمان کو چاہے عقل رکھتا ہو کہ نہیں' قرآن کے ظاہر و باطن کا علم سمجھنے کی حکمت دے دی ہے اور ہر کوئی انسانی جنس' قرآن کا ظاہر و باطن جانتی ہے۔ اس طرح اپنے نظریئے کو ثابت کرنے کے لئے تمام علمی کرتوت آزمالئے۔

سب سے پہلے مبتداء اور منتہی کی حقیقت جان لیں۔ مصنف عبدالرزاق متوفی ۱۲۶ تا ۲۱۱ ہجری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ: یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرِ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَ الْمُوْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا اور مومن میرے نور سے۔ یہاں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ پہلے اللہ تھا اس کے بعد اللہ کے نور سے نبی کا نور پیدا ہوا یعنی تمام اشیاء سے پہلے نور محمد ﷺ کی ابتداء ہوئی۔ یہاں مبتداء محمد ﷺ ہوئے جنہیں علم القرآن کہا گیا ہے' جن کی حقیقت یوں ہے۔ تفسیر مدارک میں نور محمد کے تعلق سے ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت

حاصل کی جاتی ہے (تعلیم قرآن کے ذریعہ) اس لئے آپ کا نام سراج رکھا گیا۔ ملاء علی قاری نے البارى میں لکھا ہے کہ: اس امر سے کونسی چیز مانع ہے؟ کہ نور اور کتاب مبین دونوں نبی کریمؐ کی صفتیں ہوں۔ کیونکہ آپ نور عظیم ہیں اور انوار کے درمیان کامل ظہور رکھتے ہیں۔ اور آپؐ اس لحاظ سے کتاب مبین ہیں کہ آپ تمام اسرار کے جامع، احکام واحوال اور بھلائیوں کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ اب اسی مصنف عبدالرزاق کی تشریح میں ایک مرفوع حدیث کے حوالے سے ہے کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: میں نے آپ کو، اور آپ کی اہل بیت کو (اس نور سے) پیدا کیا۔ یعنی آپ ﷺ کے اہل بیت آپ کے نور کا حصہ مخصوص ہیں، جنہیں خلق الانسان یا مہدیؑ موعود آخرالزماں کہا گیا ہے۔ حضرت سید محمد جونپوری نے اپنے دعویٰ مہدیؑ موعود کے ثبوت میں اللہ کے حکم سے جن اٹھارہ آیات کو پیش کیا ان میں سورہ الرحمٰن میں خود کا خلق الانسان، علمه البیان ہونا بیان فرمایا ہے۔ لغت میں ایک لفظ ہے ''تقدیر'' اس کے معنی قسمت، اندازہ ہے۔ وہ اندازہ جو حق تعالیٰ نے روز ازل ہر چیز کے لئے مقرر کر دیا۔ یعنی تمام احوال اور واقعات حق تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتے ہیں سب کچھ تقدیر کے ماتحت ہے، اس میں حق تعالیٰ کو پورا حق ہے۔ موسیٰؑ نے آدمؑ پر اعتراض کیا کہ آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد کو جنت سے نکلنا پڑا۔ اس پر آدمؑ نے موسیٰؑ سے کہا: کیا تم مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے پہلے لکھ دی گئی تھی کہ میں ایسا کروں گا؟ معلوم ہوا مخلوق کے کسی بھی کام کا فعل کا معاملات کا احوال کا تعلیم کا بیان کا سبھی اندازہ حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے، اسے دیکھے جانے کا اس کے نظر آنے کا نہ نظر آنے کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ مخلوق کو یہ اختیار نہیں کے وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں دخل دے۔ سنن ابن ماجہ جلد اول میں ہے کہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا: رسول ﷺ نے کہ: اس اُمت کے مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والے) وہ ہیں جو اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والے ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، ان کے جنازوں پر نہ جاؤ اور اگر تم ان سے ملو تو سلام نہ کرو۔ ''تقدیر'' جس کے معنی قسمت، اندازہ ہے۔ روایتوں سے ثابت ہے کہ جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا، اور ابلیس جن تھا اپنی محنت اور علم کے ذریعہ آسمانوں پر رسائی حاصل کرلی۔ خود ساختہ عالم بھی علم حاصل کرنے کے بعد مقام ومرتبہ کی طلب میں وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مخلوق انہیں مقامات اعلیٰ پر بٹھائے۔ تقدیر کی تشریح یہ کہ تمام احوال اور واقعات حق شانہ کی قضاء وقدر سے ہونا، جس میں کسی مخلوق کے ارادے یا مرضی کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا پورا اختیار ہے، اور وہ اندازہ جو روز ازل حق تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے مقرر کر دیا، انہیں میں سے اُس خلق الانسان کا علمه البیان ہونا بھی ہے، پیچھے آنے والا بھی ہے، اللہ سے محبت کرنے والی قوم بھی ہے، جن سے اللہ بھی محبت کرتا ہے۔

ہم کہتے ہیں الرحمٰن تو خالق ہے جو ازل سے ہے اس کا کوئی مبتداء اور منتہیٰ نہیں جسے خبر کہا جائے مبتداء اور منتہیٰ مخلوق کا ہوتا ہے۔ اور علم القرآن یہاں مبتداء اور علمه البیان منتہیٰ ہے اور خلق الانسان خبر ہے ایک موعودہ بعثت کی۔ (اور یہ 'تعریضی' ہے یعنی مفعول خلق الانسان کو ماخذ علم القرآن کے محل اور موقع علمه البیان میں لے جایا گیا ہے' اور علمه البیان 'وجدان' ہے علم القرآن کا' کیونکہ اس علمه البیان میں اس کے ماخذ علم القرآن کی صفت پائی جاتی ہے) علم القرآن یا معلم قرآن اسم فعل ہے جس میں فعل ماضی پایا جاتا ہے' اور اس کا عمل اپنے مابعد اسم اُس خلق الانسان کو رفع دینا ہے، (رفع معنی پیش ضمہ مگر یہاں اوپر اٹھانا بلند کرنا ہے) مطلب ما بعد اسم نکرہ مخصوصہ خلق الانسان کو علمه البیان کے مقام پر بلند کرنا' فائز کرنا ہے اس لئے علم القرآن جو نزول قرآن کے وقت اسم فعل بمعنی امر حاضر کے معنی میں ہے' یہ اپنے مابعد اسم نکرہ خلق الانسان کو اسم مفعول بہ معنی نہی ہونے کی وجہ سے نصب دیناز بر لگانا' مگر یہاں بیان قرآن کے لے علمه البیان کو قائم کرنا یا پیش کرنا ہے۔ خلق الانسان کا' علمه البیان ہونا کلمہ شرطیہ' اور یہ جازمہ بھی ہے جو دو فعلوں پر داخل ہونے پر مضارع (مانند یا مشابہ' علم القرآن کے مشابہ' اُس جیسا) ہو تو ان کو جزم دینا ساکن کرنا ہے۔ خَلَقَ معنی بنانا' جیسے خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ آدمؑ کو اپنے دست قدرت سے بنایا عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ , خَلَقَ الْاِنْسَانَ , عَلَّمَهُ الْبَیَانَ , یہاں پر ہر کلمے کے آخر میں نون پر فتحہ (زبر) ہے۔ زبان عربی میں فتحہ یا زبر واحد کے لئے ہے پیش جمع کے لئے اور یہ تینوں کلمے مبنی یا مرکب بنائی بر فتحہ ہیں اور جملہ اسمیہ بھی۔ ان تینوں جملوں میں یہاں دو اسموں' دو فعلوں' یا دو جملوں میں اسم اور فعل میں ربط پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں پر علم القرآن (محمد ﷺ) مرکب مفید ہیں۔ خلق الانسان اور علمه البیان (مہدیؑ موعودؑ) مرکب غیر مفید ہیں جو اسم اشارہ ہے۔ خلق الانسان 'مجرد' (اکیلا تنہاہ ہے) اور صَرف میں 'تحول' ہے یہ علمه البیان ہونے سے عین ماخذ ہے علم القرآن کا' یا مثل ماخذ ہے۔ یہاں خلق الانسان کو 'تحویل' کیا گیا ہے مثل ماخذ بنانے الرحمٰن نے خلق الانسان کو علم القرآن کے علمه البیان کے لئے اور اس کے ماخذ علم القرآن سے آراستہ کیا گیا ہے' اور خلق الانسان 'حسبانٌ' ہے کیونکہ وہ اپنے ماخذ علم القرآن کے بیان کے معنوں سے موصوف ہے۔ اور یہ خلق الانسان کی 'لیاقت' ہے کہ وہ ماخذ کی صفت کے لائق ہے۔ اور علمه البیان 'مطاوعت' ہے جس میں ایک فعل علمه البیان کو علم القرآن کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے' تا کہ یہ ظاہر ہو کہ مفعول خلق الانسان ,علم القرآن کے اثر (فعل) کو قبول کرے اور علمه البیان یا مبین قرآن کلام اللہ یا مراد اللہ ہو۔ عَلَّمَ القرآنَ میں تعلیم قرآن کا زمانہ پایا جاتا ہے اس لئے یہ مصدر ہے' اسی طرح علمه البیانَ مصدر ہوا اس میں بھی 'بیان' قرآن کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ (جاری)

جناب سید یوسف صاحب (بنگلور) (دوسری قسط)

قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر میں تحریف؟

انگریزی زبان میں جسے verb فعل کہتے ہیں۔ اَلرَّحْمٰنُ واحد متکلم ہے جو معرب ہے علم القرآن حاضر مذکر فعل معروف اور مضارع ہوا جس میں قرآن کی تعلیم کا زمانہ ہے۔ اس لئے خلق الانسان, علمه البیان غایب مذکر فعل معروف اور مضارع ہے اس میں بھی بیان قرآن کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے ''تھا' ہے 'ہوگا'' جسے افعال ناقصہ بھی کہتے ہیں۔ علم القرآن, علمه البیان Interjection حروف ندا ہیں۔ جس میں قرآن کی تعلیم اور بیان کا اعلان ہے یا ندا ہے۔ اور خلق الانسان Interogativ حرف استفہام ہے' ایک ایسا کلمہ جس کے معنی واضح نہ ہوں جب تک کسی اسم یا فعل کے ساتھ آئے۔ تسہیل میں مائل ہونے پھیرنے کو عطف Conjunction کہتے ہیں۔ عَلَّمَ القرآنَ عطف ہے مائل بہ علمه البیانَ جو معطوف ہے' خبر بغیر عطف کے متعد نہیں نہ قرآن کے بیان میں نہ عمل اور اتباع میں۔ (جنس انسان یا ہر کوئی نہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ مہدی مجھ سے ہے میرے نقش قدم پر چلے گا خطا نہیں کریگا') معطوف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد واقع ہو' اور تابع و متبوع دونوں مقصود بالنسبتہ ہوں۔ کیونکہ اسم کا عطف اسم پر' فعل کا فعل پر' مفرد کا مفرد پر' جملہ فعلیہ کا جملہ فعلیہ پر ہوتا ہے۔ یہاں بیان کرنا فعل ہے معلم قرآن فاعل جو بیان قرآن سے مخذوف اس لئے ہیں! کہ خلق الانسان مفعول کو ان کے قرآن کے ظاہر و باطن کی تعلیم کے بیان کا ذمہ ہے' جیسے دعوت بصیرت پر بلانا'' کہدو اے (محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے جس پر بلاتا ہوں' بصیرت کی بنیاد پر اور وہ بھی بلائے گا جو میرا تابع ہے۔ جو سورہ یوسف کی ۱۰۸ ویں آیت میں ہے۔ اور یہاں متبوع عَلَّمَ القرآن بطور تمہید ہیں جو اپنے تابع خلق الانسان کے لئے جو بدل' مانند یا مشابہ ہے اور خود مقصود بالنسبت ہے۔ اور علم القرآن اور علمه البیان اسمائے اعداد میں شمار ہوتے ہے جس کی شرط یہ ہے کہ اگر متبوع واحد ہے تو تابع بھی واحد ہے' تثنیہ نہیں۔ ان مترجموں کے بیان کردہ ترجمہ کی قصداً سہواً تفسیر و تشریح کئے جانے کی وجہ اللہ کی مراد یا روح قرآن کو نہ سمجھنے اور خود کو

عالم فاضل افضل ماننے سے ہوتا ہے۔ایسا پہلی بار نہیں ہوا ہے کہ انسان نے باغیانہ ومتکبرانہ انداز اختیار کیا ہو ایسا ہر دور میں ہوتا آیا ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ بقرہ ۱۱۸۔اور جاہلوں نے کہا کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت کیوں نہیں آتی اور ان سے پہلے جو گزر گئے وہ بھی یہی کہتے تھے' ان سب کے دل ایک طرح کے ہیں۔اور کچھ کہتے تھے کہ:وَ اِذَا جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ؕ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ ۶/۱۲۴ جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ رسولوں کو جیسی نبوت دی گئی ہے ویسی ہی جب تک ہم کو نہ دی جائے ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی پیغمبری اور اس کا خلیفہ ہونے کے قابل ہے اور کون جنس انسان' صرف امت ہے۔کہنا یہ ہے' کہ علم کسبی ہے اور ولایت عطائی، نبی کریم ﷺ کو نبوت اور ولایت دونوں عطا ہوئی۔اللہ کے خلیفہ کا وارث انبیاء ہونا حق اسی لئے ہے کہ انہیں نبوت کی طرح ولایت عطا ہوتی ہے، جو کسب ومحنت سے حاصل نہیں ہوتی۔جبکہ عالم کسب ومحنت سے علم حاصل کرتے ہیں، عالم کوئی بھی ہو سکتا ہے مگر! اللہ کا ولی یا اس کا خلیفہ خدا کی عطا سے ہی بن سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ بھی عطائے نبوت سے پہلے غار حرا میں غور وخوص کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے چاند اور ستاروں میں غور کیا تھا۔قریش یا اہل عرب جن کو علم الکلام پر بڑا ناز تھا وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ اُمی ہیں' اسی لئے وہ کہتے تھے کہ لغات صرف ونحو کے علم میں ہم کو کمال حاصل ہے ایک اُمی کو معلم قرآن کیوں بنا دیا گیا۔یہ مقام ومرتبہ تو ہم کو ملنا چاہیے تھا۔یہی بات تابع تام رسول اللہ ﷺ مہدیٔ آخر الزماںؑ کے ساتھ بھی ہوئی ہے۔آخر وہ تابع کیسا؟ جس کے ساتھ اس کے متبوعؑ کی حقیقت نہ دہرائی جائے۔شارع عالم معلم انسانیت ﷺ کو اسی جنس انسان نے اپنی بڑائی کے آگے کچھ نہیں جانا تو پھر آپ ﷺ کے تابع کو کیوں خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ (مہدیٔ موعود آخر الزماں) جانیں گے۔جیسے ہم نے کہا مترجموں مفسروں کی سہواً قصداً تحریف زمانے کے ہر دور میں ہوتی رہی ہے' یہ خدا کے نافرمانوں کی روش ہے۔یہ مانا کہ ہر زبان کو سمجھنے کے اصول وضوابط ہوتے ہیں لیکن! خالق کل کے کلام کو سمجھنے کے لئے ان اصول وضوابط کو پیمانہ قرار دینا جہالت اور بے دینی ہے۔حضور ﷺ تو اُمی تھے

ان اصول وضوابط کو نہیں جانتے تھے' کفار عرب کا اعتراض کرنا اسی بنیاد پر ہوا ہے۔

12 February 2014 کے ٹائمس آف انڈیا میں جان نوبل ولفرڈ کے حوالے سے خبر چھپی ہے کہ Bible (انجیل) کے نزول کے عرصہ دراز کے بعد اسے مرتب کیا گیا' اس لئے یہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ بائبل میں 20 مقامات پر اونٹ کا ذکر ہے' جبکہ ابراہیمؑ، یعقوبؑ اور یوسفؑ کے ادوار میں خچر اور گدھا بار برداری' سواری میں استعمال ہوتا تھا۔ اور اونٹ جزیرہ نما عرب کا جانور ہے، اور عرض فلسطین' شام اور مصر کے آثار قدیمہ میں بھی کہیں اونٹ کے باقیات نہیں پائے جاتے۔ اور اونٹ کے باقیات دسویں صدی قبل مسیح کے ہیں جو جزیرہ عرب سے اس جانور کو استعمال پالن پوسن کے لئے استعمال کیا جانے لگا' اور مرتبوں نے اسے انجیل کا حصہ بنا کر واقعات مرتب کردیئے۔

بائبل میں تحریف کی شہادت خود بائبل نے دی ہے' یرمیاہ' اصحاح ۸ کی ۸ ویں آیت میں ہے۔ ''تم کیسے کہتے ہو کہ ہم دانشمند ہیں' رب کی شریعت ہمارے پاس ہے۔ یقیناً جھوٹے کاتبوں کے قلموں نے اس کو جھوٹ سے بدل دیا۔ پہلے فی الحال ہم ایک لفظ ''بَیَانَ'' پر بات کرتے ہیں۔ اس کے معنی مترجموں نے 'بات کرنا۔ بولنا۔ گویائی۔ سخن گفتن۔ لئے ہیں۔ عربی لغات میں ''بیان'' بولنا مصدر ہے جو کسی کام کے ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور کسی چیز کے متعلق یا معنی کھولنے یا واضح کرنے کو 'بیان' کہتے ہیں جو معنی مقصود کو کھولتا ہے۔ یہاں الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس کو بیان سکھایا۔ کس چیز کا بیان سکھایا؟ یہ بات مبتداء دوسرا جملہ یا آیت عَلَّمَ الْقُرْاٰن میں بتادی گئی کہ قرآن کی تعلیم کا۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن کا بیان واضح کرنے سے پہلے کہا گیا کہ: قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو بیان کرنا سکھایا، نزول قرآن یا تعلیم قرآن کے وقت نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس تو بذات خود موجود تھی' اور مترجموں کو بھی اعتراف ہے تعلیم قرآن کے بعد ''بنایا آدمی' پیدا کیا آدمی کو' آفرید آدمی را' اسی نے انسان کو پیدا کیا' اس کے بعد! بیان قرآن کیا جانا مانتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ ''قرآن کی تعلیم تو دی جاچکی ہے' اس کے بعد! انسان کو پیدا کیا اور بیان سکھایا۔ یعنی ''ایک مبین القرآن کی یقینی آمد کا یہاں پیغام دیا گیا ہے یا خبر دی جارہی ہے''۔ اور تمام کتب احادیث و روایتوں سے ثابت ہے کہ وہ مبین القرآن مہدیؑ موعود آخرالزماں علیہ السلام ہیں نہ کہ کئی لوگ یا تعدیہ اور متعدد

نہیں۔ حضرت سید محمد جونپوری نے اپنے دعویٰ مہدی کے ثبوت میں خدا کے حکم سے اپنا خلق الانسان اور علمه البیان ہونا اس آیت سے پیش کیا ہے، جو آپؑ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی گئی اٹھارہ آیات میں سے ایک ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ لا ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾ یہاں پر علم القرآن (محمد ﷺ) کلمہ اسمیہ ہے جس کا پہلا جز مسند الیہ ہے جو مبتداء اور خبر (معلم اور تعلیم قرآن) سے مل کر بنتا ہے اور یہ اسم معروفہ ہوتا ہے۔ اس میں تعلیم قرآن کی نسبت اس کے معلم سے کی گئی ہے اور دوسرا جز خَلَقَ الْاِنْسَانَ لا ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ جسے مُسند کہتے ہیں وہ جز جس کی طرف (بیان کرنا) منسوب کیا گیا ہے جسے مابعد خبر بھی کہتے ہیں۔ پہلا جملہ معلم قرآن کی نسبت ہے اور چوتھا مبین کلام اللہ کی نسبت، جس میں قرآن کا بیان کرنے والے کی خبر دی گئی ہے۔ اور یہاں سب سے پہلے اَلرَّحْمٰنُ یعنی علم کے خالق کا تعارف ہے، جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم .... الٓمٓ ...... یٰسٓ ..... لا الہ الا اللہ...... اس کے بعد معلم قرآن بطور تمہید ہیں جیسے محمد الرسول اللہ ان کے بعد خلق الانسان جو مبین قرآن ہے اُس کی خبر دی گئی ہے۔ ایسے جملوں کو مرکب اضافی بھی کہتے ہیں، جس میں ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کے ساتھ بتقدیر حرف 'جر' یعنی لفظوں میں حرف موجود نہیں ہوتا بلکہ معنیٰ مقصود ہوتا ہے ملاتے ہیں، جیسے کہا گیا اللہ ایک ہے، محمد اللہ کے رسول ہیں، مہدیؑ خلیفۃ اللہ مبین کلام اللہ ہیں۔ پہلے کلمہ کو مضاف (ملا ہوا جڑا ہوا، وابستہ منسلک، شامل) کہتے ہیں۔ نحو میں یہ وہ اسم ہے جو دوسرے اسم کے ساتھ لگایا جائے۔ اور دوسرے کو مضاف الیہ کہتے ہیں۔ مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کے ساتھ دوسرا اسم منسوب کیا جائے۔ جیسے یہاں عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ مضاف ہیں اور لفظ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مضاف الیہ ہے۔ اور یہ مرکب توصیفی بھی ہے جس میں چوتھا کلمہ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ دوسرا کلمہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کے موصوف کی علمی صفت بیان کر رہا ہے جو انہیں خالق علم کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

صلواۃ صبح .. محمد الرسول اللہ .. اللہ واحد ... سب سے پہلے الرحمٰن واحد ہے معلم اور مبین تثنیہ ہیں۔ تثنیہ وہ اسم ہے جو دو افراد دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے۔ مگر علم القرآن اسم مفرد صحیح ہیں جو ایک فرد اسم محمدؐ پر دلالت کرتا ہے۔ اور خلق الانسان علمه البیان مرکب مفید

ہے جسے مرکب تام بھی کہتے ہیں' اور یہ جملہ فعلیہ بھی ہے جو فعل اور فاعل سے مل کر بنا ہے۔ یہاں پر
عَلَّمَ (تعلیم دی محمد ﷺ کو) جس کے معنی سکھانے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ جیسے
ارشاد ہے ''وَ عَلَّمنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا قَالَ لَهٗ مُوْسیٰ هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰیٓ اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا
عُلِّمْتَ رُشْدًا اور سکھلایا اسکو اپنے پاس سے ایک علم کہا اس کو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ ہوں اس
بات پر کہ تو سکھا دے مجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ۔ یہاں مراد اُس خاص علم سے ہے جو بشر سے مخفی ہوتا
ہے جسے علم باطن کہتے ہیں' جب تک اللہ تعالیٰ اس علم سے واقف نہ فرمائے لوگوں کے نزدیک وہ قابل
انکار ہی ہوتا ہے کیونکہ جب تک حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کے ساتھ تھے اور اس علم کی حقیقت سے باخبر
نہ ہوئے انکار ہی فرماتے رہے۔ اور خلق الانسان وہ ضمیر نکرہ ہے Commn Noun جس کو
اسم غائب یا حاضر متکلم سمجھا جائے۔ جو مبتداء موصوف علم القرآن (ﷺ) کی اس صفت تعلیم کا
علمہ البیان بیان کرنے والا ہے۔ اور علمہ البیان' علم القرآن کا صیغہ ہے جو مشتق اور متصرف
کلمہ ہے جو اس کے اصل لفظ علَّمَ سے نکالا گیا ہے۔ مگر خلق الانسان جس میں الف لام آیا ہے جو
خارجی اس لئے ہے کہ علم القرآن اور علمہ البیان کے درمیان واقع ہوا ہے اور استغراقی اس لئے
نہیں ہے کہ بیان قرآن کا اسے ذمہ ہے یہ وہ اسم جیسے الکتاب۔ خلق الانسان اسم نکرہ تو ہے مگر
علمہ البیان سے جڑ جانے کی وجہ سے اسم مخصوصہ ہے جو خلق الانسان اور علمہ البیان کا مضاف
یعنی جڑا ہوا ہے قرآن کے بیان سے۔ اور یہاں دو آیات یا جملہ کو ملانے کا فائدہ دے رہا ہے خَلَقَ الْاِ
نْسَانَ کے نون کے اوپر نصب یا فتحہ ہے جسے 'زبر' کہتے ہیں وہ معرب ہے جس سے خلق الانسانَ کا
علمہ البیانَ مبین کلام اللہ ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ وہ عامل معنوی ہے جو معرب کلمہ خلق الانسان
کے آخر میں تبدیلی کا باعث ہے اور وہ تبدیلی اس کا علمہ البیان ہونا ہے' جو فعل مضارع ہے جس
میں قرآن کی تعلیم کے بیان کا زمانہ حال بھی ہے اور زمانہ مستقبل بھی۔ جس کے لئے یہاں خالق علم و
بیان رحمن نے کنایات' اسمائے اشارہ اور اسمائے استفہامیہ سے بات بتائی ہے۔ انسان'' آدمی'' مذکر
و مونث دونوں ہوتا ہے' اور معرب کلمہ ہے جو آخر میں زبر زیر پیش جزم سے اعراب بالحرکۃ کو قبول کرتا
ہے۔ انسان وہ اسم نکرہ Common Noun ہے جو آدمی بشر کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہ حرف
استفہام (سوالیہ) کے مشابہ ہے مثلاً'' کون'' انسان جو اسم ضمیر غائب مخاطب متکلم پر دلالت کرتا

ہے۔اور یہ ''وہ'' خلق الانسان ہے جس کو بیان قرآن کا ذمہ ہے۔جس طرح علم القرآن اسم ضمیر ہے خلق الانسان بھی اسم ضمیر ہے۔جو عام نہیں ہے بلکہ علمه البیان ہونے کی وجہ سے خاص ہے۔جیسے لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ بدلتا نہیں اللہ کے بنائے کو۔اس خلق الانسان کو اسی رحمٰن نے بنایا اسی نے پیدا کیا قرآن کے بیان کے لئے جس نے معلم قرآن کو پیدا کیا تعلیم قرآن کے لئے خلق الانسان کو یہ مفرد اور مخصوص ہے' یہ وہ صیغہ ہے یا کلمہ وعبارت ہے جو متکلم' رحمٰن جو خالق ہے کے ارادے اور اس کے تعرف کی نوعیت کو واضح کرتا ہے۔اور عَلَّمَهُ .... عَلَّمَ کا جمع مکسر ہے' جس میں واحد کا وزن باقی نہیں ہے اس میں تغیر ہو گیا ہے۔یہ وہ اسم نکرہ ہے جس کی واحد سے جمع بناتے وقت واحد کی بناوٹ ٹوٹ گئی ہے۔اور قرآن کی تعلیم لینے والے اور اس کا بیان کرنے والے دو الگ اسم یا مفرد صحیح ہو گئے یعنی معلم ایک اور مبین دوسرے۔کیونکہ عَلَّمَهُ میں واحد کا صیغہ غائب اور جمع حاضر ہے۔اور یہاں خلق الانسان نکرہ معروفہ مخصوصہ ہے یہ ایسا وصف ہے جو علم القرآن کے لغوی معنی پر دلالت ہے جس میں معلم قرآن کی صفت بیان موجود ہے۔اس کو یعنی رحمٰن کو جس نے معلم قرآن اور مبین کلام اللہ کو پیدا کیا ہے اس سے اشتغال ہوا ہے' اس کی تعریف نحو میں یہ ہے کہ ایک اسم پہلے آئے (علم القرآن جو اسم معروفہ ہے) اس کے بعد ایسا فعل آئے جو ضمیر یا ضمیر سے متصل اسم میں عامل ہو۔وہ ہے علمه البیان اور اس کی ضمیر خلق الانسان ہے جو متصل اسم مخصوصہ ہے اس نے مابعد معمول مبتداء علم القرآن کو فارغ کر دیا ہے بیان کے عمل میں علمه البیان سے اس ماقبل اسم نکرہ خلق الانسان نے بیان کروانے کے عمل سے جہاں ایک کلام میں دو فعلوں (تعلیم اور بیان) کا تکرار آگیا' پہلے فعل کو حذف کر دیا اسے اضمار علی شرط تفسیر بھی کہتے ہیں یعنی وہ اسم جس کے فعل کو اس شرط پر حذف کیا گیا کہ مابعد فعل علمه البیان اُن علم القرآن کی تفسیر بیان کریگا' اور یہ تاکیدی مفعول بھی ہے جو اپنے ماقبل فعل علم القرآن کی تاکید علمه البیان کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔علم القرآن خلق الانسان علمه البیان فعل مضارع معروف ہیں جس میں زمانہ حال اور مستقبل ہے' جس کے اوزان يَفْعَلُ 'يَفْعَلَانِ ' يَفْعَلُوْنَ ہیں۔اور یہ اضاف معنوی ہیں یہ وہ اضافت ہے جس میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور اسم مضاف ہو' اس کا فائدہ یہ ہے کہ مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف نکرہ مخصوصہ بن جاتا ہے۔اس لئے خلق النسان علمه البیان انسان کو پیدا کیا اور اس کو قرآن کا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کون کہتا ہے کہ میں اجنبی ہوں! سید یوسف (بنگلور)

نورحیات حیدر آباد کے مارچ ۱۹۹۵ء میں شائع شدہ افسانہ

الیکٹرک ٹرین پوری رفتار سے دوڑی جا رہی تھی۔ میں اور میری بیوی بظاہر پیچھے دوڑتے ہوئے قدرتی مناظر اور لہلہاتے کھیتوں کی خوبصورتی میں کھوئے تھے۔ لیکن ہمارے تخیل کی پرواز نے ماضی کے کئی چکر لگائے۔ ہمارے دونوں لڑکے اور لڑکیاں اپنی منزل مقصود چندن پور کی خیالی تصویر میں گم تھے، جس کے بارے میں انھوں نے صرف سنا تھا دیکھا کبھی نہ تھا۔ ایک وقت تھا مجھا اپنے شہر سے چندن پور جانے میں دو دن لگ جاتے تھے اور کوئلے سے چلنے والا انجن اچھے بھلے مسافر کو بھوت بنا دیتا تھا۔ آج زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا، جب میں آج سے چالیس پہلے چندن پور آیا تھا۔

ریل گاڑی پونے چار گھنٹے دیر سے پہنچی تھی، رات بھر کا سفر اور مسافروں کی دھکا پیل نے مجھے بے جان سا کر دیا تھا۔ اس وقت صبح کے ساڑھے نو بجے تھے مجھے دفتر ٹھیک ساڑھے دس بجے حاضری دینی تھی۔ یہ میری ملازمت کا پہلا دن تھا۔ میرا تقرر محکمہ دستکاری میں بطور پرچیز اسٹنٹ یہاں ہوا تھا۔ باوجود سفر اور تکان کے میں سیدھے دفتر جانا چاہتا تھا۔ پلیٹ فارم پر اتر کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ میرے علاوہ بس دو چار ہی مسافر اترے تھے میں نے اپنا سامان اٹھایا باہر تانگے والے کو پتہ بتا کر سوار ہو گیا۔ تانگہ کچی سڑکوں اور کھیتوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک نیم پختہ عمارت کے سامنے رک گیا، جس پر متعلقہ دفتر کا بورڈ آویزاں تھا۔ میں نے افسران اور اہلکاروں سے اپنا تعارف کرایا سبھی بڑے تپاک اور گرمجوشی سے ملے۔ تھوڑی دیر میں ایک اردلی نے گرم گرم گڑ کی چائے سے میری تواضع کی جس میں اپنائیت کی خوش بو اور خلوص کی چاشنی تھی۔

جب میں نے اپنی ذمہ داریوں کا جائزہ لے لیا تو اپنے ماتحت سے قیام کے بارے میں پوچھا اس نے کہا "جناب یہاں پر قیام کا کوئی بندوبست نہیں ہے البتہ آپ پاس والے قصبے میں چلے جائیں کوئی گنجائش نکل آئے گی کیونکہ قصبے والے بڑے خلیق مہربان اور مہمان نواز ہیں۔

دفتر کی چھٹی کے بعد میں نے اپنا سامان اٹھایا اور قصبے کی طرف چل دیا جو دور سے ہرے بھرے پیڑوں کے جھنڈ کے درمیان گھرا ہوا سبزہ زار لگ رہا تھا، جس کے اطراف قدرت اپنی رعنائیاں بکھیر رہی تھی، سورج ڈوبنے لگا تھا مغربی افق کی لالی ماند پڑ رہی تھی اور سرمئی ملگجی اندھیرا ہر طرف چھانے لگا تھا۔ میں کھیتوں کے منڈیروں پر لڑھکتا پھسلتا ہوا اس پگڈنڈی پر آ گیا جو گاؤں کو جا رہی تھی۔ اتنے میں اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی اذان کی آواز آئی میں اسی سمت بڑھتا چلا گیا۔ ایک بڑی کشادہ عمارت میں داخل ہوا جو مٹی کی دیواروں اور پھوس کی چھت سے بنائی گئی تھی۔ جس کے درمیان ایک لالٹین پورے ہال کو روشن رکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ میں وضو کر کے نماز میں شامل ہو گیا۔ اس سے پہلے میں نے بڑی بڑی عالیشان مسجدوں میں نماز پڑھی تھی، ہمارے شہر شہداد پور کی جامع مسجد تو اپنی طرز تعمیر اور سجاوٹ کے لحاظ سے کافی دور تک مشہور تھی۔ مگر نہ جانے اس نیم روشن پھوس کی چھت والی مسجد میں کیا بات تھی کہ امام کی تکبیر اور قرأت کے ساتھ مجھے یوں لگا جیسے میں معبود حقیقی کے حضور میں حاضر ہوں اور وہ اپنی قدرت کاملہ اور رحمت کے ساتھ میرے روبرو ہے۔

بات یہ بھی نہ تھی کہ امام خوش الحانی سے قرآت کر رہے ہوں بس سیدھی سادھی سی قرآت تھی لیکن جو کیفیت مجھ پر طاری تھی اُسے لفظوں میں بیان کرنا ناممکن تھا۔ رکوع وسجود کے ساتھ احساس ہوتا تھا کہ میں رحمت اور کبریائی کے دریا میں غوطہ لگا رہا ہوں۔ نماز کے کافی دیر بعد تک بھی ایک سُرور کا عالم مجھ پر چھایا رہا۔

نماز ختم ہونے کے بعد میں نے اردگرد کا جائزہ لیا تمام مسجد اور صحن نمازیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگ دیکھنے میں عام دیہاتیوں جیسے لگتے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر چھائی چمک اور بشاشت سے ایک گونہ رُعب اور دبدبہ ٹپکتا تھا جو میں نے آج تک کسی امیر یا غنی کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔ تمام حاضرین میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جب تمام لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے تو میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک بزرگ سے کہا کہ میں ایک مسافر ہوں۔ وہ آہستہ اُٹھے اور امام صاحب سے احتراماً دست بستہ کچھ عرض کرنے لگے۔ امام موصوف جن کے چہرے سے مہربانی اور شفقت عیاں تھی میرے قریب آئے مجھ سے مخاطب ہوئے 'کیا آپ مسافر ہیں؟ میں نے سر ہلا کر اقرار کیا اُن کے سامنے زبان کھولنے کی بے ادبی اور گستاخی مجھ سے نہ ہو سکی۔ مجھے ساتھ لے کر وہ ایک طرف کو روانہ ہوئے باوجود اندھیرے کے میں نے دیکھا کہ لوگ کائی کی طرح پھٹ کر انھیں راستہ دے رہے تھے تعظیم بجالاتے اور قدم بوس ہوتے تھے۔ احترام کا یہ عالم تھا کہ سب کے سر جھکے ہوئے تھے بعض تو اتنے جھکے جیسے کورنش بجالا رہے ہوں۔ ہم بزرگ امام کے مکان میں داخل ہوئے جو تنگدستی اور غربت کا نمونہ تھا جہاں پر پہلے سے کئی اور لوگ بھی تھے۔ سبھوں نے مل کر کھانا کھایا' کھانے سے فارغ ہونے کے بعد امام موصوف مجھے ایک کوٹھڑی میں چھوڑ دئے جہاں میرے رات گزارنے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ بعد نماز کے میں نے دیکھا کہ صرف چند لوگ ہی واپس گئے باقی سب نے مسجد میں ہی رات بھر ذکر و فکر میں گزاری چونکہ میں بہت تھکا ہوا تھا بستر پر لیٹتے ہی سو گیا' لیکن جب بھی آنکھ کھلتی چق اُٹھا کر دیکھا تو تمام حاضرین کو ذکر میں مستغرق پایا۔ استغراق کا ایسا حال تھا مانو جیسے اُن کے جسموں میں جان ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کے سانسوں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ عجیب فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ فجر کی اذان سن کر جا گا' نماز کے بعد بھی ان لوگوں کے ذکر فکر اور بیان کا شغل جاری رہا آخر نماز اشراق کے بعد انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں میں نے موقع پا کر امام موصوف کو جنھیں یہ لوگ مرشد کہکر مخاطب کر رہے تھے' اُن سے اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے ایک صاحب کو بلا کر کچھ کہا وہ صاحب مجھے لیکر چلے اور اپنے مکان لے جا کر بہترین کمرہ مجھے رہنے کیلئے دیا اور کہا "میاں! جب تک آپ یہاں رہیں گے کھانا 'اللہ دیا' ہے ہمارے غریب خانے پر کھا لیا کیجیے"۔ میں نے اُن سے کرایہ اور کھانے کے اخراجات کے بارے میں پوچھا تو بولے "میاں! جب ہم کسی کو 'اللہ دیا' کہہ دیتے ہیں تو نہ اُسکا معاوضہ لیتے ہیں نہ اُجرت" عجب طور طریقے ان لوگوں کے تھے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا' بلکہ یوں کہیے میری زندگی کو بھی ایک مقام ملا اور یوں میرے قیام اور طعام کا بندوبست ہو گیا جس نے بعد کو میری زندگی کا دھارا بدل دیا۔

دن گزرتے گئے میں نے ملازمت کے ساتھ یہاں کی دینی و دنیاوی ماحول میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا۔ مجھے یہ پتہ بھی نہ چلا کہ میں یہاں اجنبی ہوں۔ حکومت نے یہاں اطراف کے گاؤں قصبوں کے دستکاروں کی ترقی اور امداد کے لئے یہ محکمہ لگایا تھا۔ میرے ذمہ مناسب داموں پر دستکاریوں کی خریداری کے علاوہ ان کی مالی امداد کی بھی مجھے اجازت تھی۔ یہاں کی دستکاریاں ملک اور

بیرون ملک مشہور تھیں اور چندن پور میں زیادہ تر دستکاری رہتے تھے۔ مجھے یہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا۔ ان لوگوں کے حسن سلوک اور اخلاق نے مجھے ان گرویدہ بنادیا' میں ان کا احسان مند بھی تھا۔ اس لئے جب بھی ان کی کوئی رعایت یا زیادہ قیمت دینا چاہتا تو یہ قبول نہ کرتے۔ عجیب لوگ تھے کہتے اپنی محنت کا محنتانہ چاہیے' اُس سے زیادہ کچھ نہیں' دیندار تو دیندار تھے ہی دنیادار بھی تقویٰ و توکل میں اپنی مثال آپ تھے۔ ہر آنے والا دن میں اُنسے متاثر اور قریب سے قریب تر ہوتا چلا گیا۔

یہ لوگ مذہب اور اعتقاد کے بڑے پکے تھے' ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ موعود مہدیؑ جن کے آنے کا وعدہ حضرت سلطان الانبیاء خاتم المرسلین سرور کونین ﷺ نے کیا تھا وہ ذات والا صفات حضرت سید محمد جونپوری علیہ السلام ہیں۔ یہ لوگ مہدیؑ کے آمد و گذشت کے قائل تھے' کہتے اب کوئی مہدی آنے والا نہیں جن کو آنا تھا وہ آگئے اب صرف عیسیٰؑ آئیں گے۔ میں نے ان کے اعمال و اعتقاد میں یقین اور ایمان کی جھلک دیکھی' فطرتاً میں ان کے دین اور اعتقاد کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا' یہ ایک فطری امر تھا کیوں کہ مہدیؑ کا آنا ضروریات دین سے تھا۔ یہ لوگ جس جگہ بستے تھے اُسے دایرہ کہتے جہاں پر تمام تر اسی عقیدہ کے لوگ آباد تھے۔ جن بزرگوں کو یہ مرشد کہتے وہ ان کے دینی و دنیاوی معاملات کے نگران تھے۔ وہ خلاف شرع محمدی کوئی کام نہ کرنے دیتے حتیٰ کہ روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں شریعت اور سنت رسول کا پاس و لحاظ رکھا جاتا' حُبِ رسولؐ ان کا شیوہ تھا۔ جن کو مرشد کہتے ان کی بڑی تعظیم کرتے جس کو جماعت خانہ کہتے وہاں نماز ذکر و عبادادت کے علاوہ دوسری تقاریب بھی منعقد ہوتیں ان جماعت خانوں سے متصل کمروں کو حجرہ کہتے جہاں پر تارک الدنیا لوگ رہتے جنہیں فقراء کہا جاتا۔ وہ دن رات عبادت میں مصروف رہتے اس کے علاوہ ان کا کوئی کام نہ تھا' ان کو دنیا سے سروکار تھا۔ باقی ماندہ لوگوں کو کاسب کہا جاتا تھا جو کسب حلال سے روزی کماتے اور اس میں عشر نکال کر اپنے مرشد کے حوالے کرتے جس سے فقرا یتیم نادار مفلس بیواؤں اور مسافروں کی کفالت کی جاتی تھی۔ بہر حال تمام دایرہ ایک خاندان ایک کنبہ لگتا تھا۔

حضرت مہدیؑ موعود علیہ السلام کی تعلیمات نے مجھے بہت متاثر کیا اور مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ آپؑ ہی کی ذات والا صفات وہ موعودہ مہدیؑ ہے جن کے آنے کا وعدہ مخبر صادق ﷺ نے کیا تھا۔ تعلیمات مہدیؑ نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا اور یوں میں گروہ صادقین سے منسلک اور وابستہ ہو گیا اسی دوران میرے رشتہ داروں میں میری شادی ہوگئی میں نے اپنی شریک حیات کو صاف صاف اپنے عقیدے کے بارے میں بتایا وہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں اس نے تمام حالات سننے اور مطالعہ کرنے کے بعد اس ابدی حقیقت کو پورے اخلاص کے ساتھ قبول کرلیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ملک کو نئی نئی آزادی ملی تھی ہر طرف تعمیر اور ترقی کا دور تھا۔ کچھ دنوں بعد چندن پور سے میرا تبادلہ ہو گیا۔ یہاں میں حکومت کا ملازم بن کر آیا تھا اور آج واپسی پر دنیاوی ملازمت کے ساتھ میں نے خدا کی سچی ملازمت اختیار کرلی تھی' ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر جب ہم یہاں سے روانہ ہوئے تو وہ ریلوے اسٹیشن جو کبھی سونا سونا تھا ہمیں وداع کرنے آئے لوگوں کی بھیڑ سے کھچا کھچ بھر گیا' تل دھرنے کو جگہ نہ تھی مانو جیسے سارا چندن پور اُمڈ آیا ہو۔ لوگوں کی اس اپنایت اور خلوص کو دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں میری بیوی فرط غم سے رو پڑی سارا مجمع اشک بار ہو گیا' ٹرین روانہ ہوئی کافی دور تک لوگ ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں وداع کرتے رہے۔

کئی برس بیت گئے بہاریں آئیں اور چلی گئیں لیکن چندن پور جیسی بہاریں نہ دیکھیں جہاں روح میں بہاریں ہوا کرتی تھیں جہاں فضائیں نا آشنا تھیں دنیاوی آلودگی سے اور ان بہاروں کی مہک سے ہمارے دل و دماغ برسوں شاداب رہے دل کی گہرائیوں تک وہ مہک سرائیت کر گئی تھی۔ وقت کے ساتھ میرے اعتقادات پختہ ہوتے چلے گئے ہم علم اور عمل کے لحاظ سے پکے اور سچے مہدوی تھے۔ میرے تبادلے ہوتے رہے ترقیاں ہوتی رہیں۔ میرا خاندان دو سے چھے افراد ہو گیا میرے بچوں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ یقین اور ایمان کا ماحول تھا ایک مہدوی ماحول ہم نے بھی اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آخر کار میرے تبادلے اور ترقی کا سفر ختم ہوا اور مجھے ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ میری ذمہ داریوں اور مصروفیات نے مجھے ایک لمحے کی فرصت نہ دی اور اب! میں تھا اور یہ جہاں تھا فرصت ہی فرصت تھی اب مجھے اپنی زندگی کی آخری منزل طے کرنے کے لئے ایک مستقل ٹھکانے کا انتظام کرنا تھا اس کے لئے میں نے چندن پور کا انتخاب کیا میں نے اپنے بیوی بچوں سے اس کا ذکر کیا وہ خوشی سے مچل پڑے۔ ہم نے چند دن ہی سہی اُس ایمان پرور ماحول میں سانس لی تھی بچوں نے اس پرنور معاشرے کے بارے میں صرف سنا تھا' کبھی دیکھا نہ تھا اس لئے ان کا اشتیاق بجا تھا۔

آج لگ بھگ چالیس سال بعد ہم چندن پور واپس جا رہے تھے اس دوران ایک نئی نسل پروان چڑھ چکی تھی۔ جیسے جیسے چندن پور قریب آ رہا تھا دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا' وقت بدل گیا' زمانہ بدل گیا' بستی کے فضائیں بھی بدل گئیں' کہیں اس تبدیلی کا اثر چندن پور پر نہ پڑ گیا ہو۔ اس مادی ترقی نے کہیں اس کی روح کو بھی پراگندہ نہ کر دیا ہو۔ یہی سوچتے ہوئے پتہ نہیں کتنا وقت گزر گیا' ایک جھٹکے سے چونک پڑا ٹرین سگنل پر رکی تھی' ہم اترنے کی تیاری کرنے لگے۔ جیسے ہی پلیٹ فارم پر قدم رکھا مجھے لگا اب یہ وہ چندن پور نہیں جو کبھی سویا سویا پرسکون ہوا کرتا تھا۔ ہر طرف بھیڑ تھی' اب یہ چھوٹا سا شہر بن گیا تھا۔ اسٹیشن سے باہر آ کر آٹو رکشا کرایہ پر لے اور پتہ بتا کر سوار ہو گئے۔ کافی بھیڑ بھاڑ اور پختہ سڑکوں سے گزرتا ہوا رکشہ متعلقہ مقام پر رک گیا۔ چند ساعتیں یوں لگا جیسے یہ وہ جگہ نہیں جہاں ہمیں پہنچایا ہے۔ پھر ایک نظر اطراف کا جائزہ لینے پر کچھ پرانے آثار دکھائی دئے۔ ہم دریافت کرتے ہوئے ہمارے محسن کے مکان پر پہنچے دروازے پر دستک دی ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے دروازہ کھولا اور سوالیہ نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا۔ میں نے تعارف کرایا وہ ہمیں اندر لے گئے اور ہمیں بیٹھک میں بٹھایا' اور میری بیوی بچوں کو زنان خانے بھجوایا' تھوڑی دیر بعد میں نے مہربان میزبان کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے وہ اس دنیا میں نہیں رہے' جن سے میں مخاطب تھا وہ ان کے فرزند تھے۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد میں نے حضرت مرشد کے بارے میں پوچھا' بولے وہ اپنے مولا سے جا ملے اب ان کے فرزند مسند نشیں ہیں۔ میرا دل بھر آیا ان کا پرنور پرشفقت چہرہ آنکھوں میں گھوم گیا۔ پھر پرانے احباب کا ذکر چھڑا دیر تک باتیں ہوتی رہیں انہوں نے کہا' میاں! اب کہاں وہ لوگ رہے وہ وقت بھی نہیں رہا۔ بہت کچھ بدل گیا ہے اس کے بعد ہم رات کا کھانا کھا کر سونے چلے گئے مگر مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ صبح منہ اندھیرے میں بچوں کو لے کر جماعت خانہ کی طرف چل دیا وہاں پر ایک شاندار مسجد بن چکی تھی' مگر دروازے پر تالہ لگا ہوا تھا میں اپنے دونوں لڑکوں کو لیکر وہیں بیٹھ گیا۔ کافی دیر بعد ایک عمر رسیدہ شخص آئے اور اُچٹتی سی نگاہ ہم پر ڈالی اور مسجد کا دروازہ کھولا اور مسجد میں روشنی کی تو میں نے دیکھا مسجد کافی شاندار سجی سجائی ہے مگر ایمان کا وہ نور کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا جو اُس نیم روشن پھوس کی چھت والی مسجد میں

تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ایک کرکے چار پانچ لوگ آئے جب صبح صادق کے کافی آثار نمودار ہوگئے تو حضرت مرشد آئے اُن کے آتے ہی اقامت کہی گئی پتہ بھی نہیں چلا کہ کب نماز شروع ہوئی اور کب ختم ہوگئی' آیا نماز ہوئی بھی یا نہیں۔ سلام کے بعد ایک ایک کرکے لوگ چلے گئے ہم اور مسجد کا تالہ کھولنے والے صاحب رہ گئے وہ ہمیں بار بار بے چینی سے دیکھ رہے تھے آخر کار ان سے رہا نہ گیا ہماری جانب آئے اور بولے آپ باہر صحن میں بیٹھ جایئے مجھے مسجد کو تالہ لگانا ہے۔ میں سوچنے لگا کہیں میں غلط جگہ پر تو نہیں آ گیا تھا کہیں مجھے دھوکہ نہیں ہوا تھا۔ میں صحیح جگہ پر غلط دور میں آ گیا تھا' وہ بھی کیا دور تھا مجھے اپنا مدعا بیان کرنے کے لئے انہیں لوگوں کی ذکر فکر و عبادت کے ختم ہونے کا انتظار کرنا پڑا تھا۔ اور آج یہ دن کہ خدا کی عبادت اور ذکر کو تالے میں بند کر دیا جا رہا تھا۔ ہائے افسوس! لوگوں نے اپنے ایمان کو وقت کے سانچے میں ڈھال دیا تھا' اور میں تھا کہ وقت کو ایمان کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے جس دور کے تصور کا ہالہ اپنے اطراف بنا لیا تھا وہ خدا کے بنائے ہوئے نظام کے عین مطابق تھا۔ اور اب لوگ اپنے بنائے ہوئے نظام میں خدا کی عبادت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو عبادت کی روح کے منافی تھا۔ میں نے اپنے بچوں کو جس معاشرے کے بارے میں بتایا تھا اور جس کی تعریف کرتے ہوئے عمر گزر گئی تھی' آج اس کی زبوں حالی اور ناخدا شناسی دیکھ کر میں اپنے بچوں سے آنکھیں نہ ملا سکا۔ میں نے انہیں کیسے سمجھاتا میں نے انہیں جو کچھ بتایا تھا وہ حقیقت تھی' میں بوجھل قدموں کے ساتھ واپس آ گیا' عجیب یاسیت کی کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ بچوں کی آنکھوں میں میں نے کئی سوالات پڑھ لئے تھے۔ اُن کی سوالیہ نگاہوں کی تاب نہ لا کر اپنی خفت مٹانے اپنے پرانے شناساؤں کی تلاش میں نکل پڑا۔

زمانے کی ترقی کے تمام تر آثار چندن پور میں دکھائی دے رہے تھے۔ سڑکیں پختہ اور مکان پختہ تھے' لیکن ایمان پختہ نہیں تھا۔ لوگوں کی آنکھوں میں میں نے سرد مہری دیکھی' وہ اپنا پن وہ معصومیت سچائی خلوص جو کسی اجنبی کے تئیں میں نے دیکھی تھی وہ ندارد تھی۔ یہاں اب باپ بیٹا' بھائی بھائی اجنبی لگ رہے تھے۔ مکانوں کی پختگی میں کچی مٹی کی وہ سوندھی خوشبو نہیں تھی جو دلوں کو گرمادیتی تھی ایمان کمزور ہوگیا تو سرد مہری غالب آ گئی تھی۔ ظاہر پوری طرح آراستہ تھا باطن خستہ اور گرد آلود ہو گیا تھا۔ ایک شناسا کے مکان پر دستک دی ایک نوجوان نے دروازہ کھولا اور وہیں کھڑے کھڑے با دلِ نخواستہ میری باتوں کا جواب اُکھڑے ہوئے لہجے میں دیتا رہا۔ وہاں سے مایوسی سے لوٹ آیا۔ دوسروں کو تلاش کرنے کی ہمت نہ ہوئی' راستہ میں ایک جانا پہچانا چہرہ دکھائی دیا بڑھاپے کے تمام تر آثار نمایاں تھے' میں نے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا' ان کی باچھیں کھل گئیں بڑی گرمجوشی سے ملے آنکھیں بھر آئیں گلا رندھ گیا۔ رسمی بات چیت کے بعد انہوں نے بتایا' میاں! سب کچھ بدل گیا اپنا پرایا ہو گیا' لوگ جیسے اپنے آپ کو بھول گئے' خدا رسولؐ اور مہدیؑ کی بات کرنے والے کو اب دیوانہ سمجھا جا رہا ہے' دکھاوے کو عبادت اور نمائش کو دینداری سمجھ لیا گیا ہے' عمل برائے اخلاص کو دقیانوسی طریقے کہا جا رہا ہے۔ تسبیح کے دانے گھمانے اور ٹخنوں سے اُوپر پاجامہ پہن لینے والا خدا کا مقرب بن گیا ہے۔ کبھی فقیری خدا کے قرب کا ذریعہ تھی اب ایک تمغہ ہے جسے لوگ اپنے سینے پر سجا لیتے ہیں' کبھی اللہ کے فقیر سے لوگ آنکھیں نہیں ملاتے تھے آج فقیر دنیاداروں کی محفل میں بیٹھنے کو عزت کی بات سمجھ رہے ہیں۔ نہ لوگوں کے پاس بزرگوں کا ادب و لحاظ نہ فقراء میں شان استغنا رہی۔ بردباری تقویٰ توکل طلب دیدار خدا یادِ ماضی بن گئے ہیں' اب لوگوں کو اپنی دنیا سنوارنے سے فرصت نہیں' کون ہے! خدا رسولؐ اور مہدیؑ کا کہنا مانے' ایک وہ لوگ تھے جن کو اپنے دین سے فرصت نہ تھی لگتے

مردہ تھے لیکن زندگی کا راز پا گئے' ایک یہ لوگ ہیں لگتے تو زندہ ہیں لیکن مردوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں اور جدھر سینگھ سمائے چلے جا رہے ہیں۔ ان کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیے انہیں اس کھائی کی طرف لے جا رہے ہیں جہاں ان کے آنے والی نسلوں کی تباہی ہے۔ ان کی باتیں سن کر میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا جیسے کہ میرے خواب چکنا چور ہو گئے ہوں۔ جس معاشرے کی کسر نفسی شرافت عبادت ریاضت خدا شناسی سادگی راست بازی سے میری دنیا و دین آباد ہوئے تھے جس نے میری روح کو شاداب کیا تھا آج اس کی بہاروں پر خزاں چھا گئی تھی۔ کبھی یہاں آکر اجنبی ہوتے ہوئے اپنائیت محسوس کرتا تھا اور آج اپنوں میں رہ کر اجنبی محسوس کر رہا ہوں' فکر و نظر کے اس انقلاب نے میرے وجود کو تہہ و بالا کر دیا' میں وہاں سے چلا آیا' میں سوچنے لگا ہوں کیا انسان اتنا کمزور اور بے بس ہے کہ زمانے کی تھوڑی تبدیلی سے زیر وزبر ہو گیا۔ وفاداریاں بدل دیں رشتہ داریاں بدل دیں اپنی اصلیت اور حقیقت کو اتنی جلدی بھلا دیا۔ کیا اُسے معلوم نہیں کہ یہ بھول آنے والی نسلوں کے لئے کتنی تباہ کن ہوگی اور آنے والی نسلیں اُسے کبھی معاف نہیں کریں گی۔

ہائے' افسوس! نہ میں اُن بزرگوں کو بھلا سکتا ہوں نہ ان پر نور احساسات کو اور نہ اُس دور کو بھلا سکتا ہوں نہ اُن تعلیمات کو' اور نہ اِس صورت حال کو برداشت کر سکتا ہوں۔ کیا ایسی بے عملی اور بے راہ روی کو ترقی کا نام دیا گیا ہے؟ میں جو اس شاندار ماضی کا چشم دید گواہ اور معاشرے کا رکن تھا' آج اس بجھی ہوئی آگ کا دھواں محسوس کر رہا ہوں۔ شاید اسی لئے ہمارے بزرگوں نے اس دنیا کو ٹھوکر ماردی تھی' یہ ترقی کے نام پر بے وفائی کے سو بہانے بنا لیتی ہے۔ اور حقیقی مالک سے بغاوت پر اُکساتی ہے' کبھی اس نے دینداروں کو فرصت لینے ہی نہ دیا اور آج اس کے اپنے دنیا داروں کو چین سے رہنے نہیں دیتی۔

اسی تگ و دو میں رات دیر گئے تک میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا' نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایسے میں مجھے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا دیکھا تو میرے بیوی بچے میرے پاس بیٹھے ہوئے میرا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ میری پریشانی بھانپ گئے تھے اور میری دن بھر کی دوڑ دھوپ سے وہ واقف تھے۔ انہوں نے میری پریشانی کی وجہ پوچھی تو میں نے سارا حال کہہ سنایا جو دیکھا وہ خواب تھا جو سنا افسانہ۔

میرے بڑے لڑکے نے مجھ سے کہا' بس اتنی بات کے لئے آپ پریشان ہو گئے اور بے چین بھی۔ پریشانی کو دل سے نکال دیجیے' کیا آپ کو معلوم نہیں مایوسی کفر ہے' جن کو خدا ہدایت دیتا ہے ان کو دنیا کی کوئی تبدیلی اور ترقی راہ راست سے ہٹا نہیں سکتی۔ ہمیں اس حقیقت کی حفاظت کرنی ہے جو ہم نے پائی ہے۔ حقیقت مانی جاتی ہے منوائی نہیں جاتی' اس حقیقت کو پروان چڑھانے اور آنے والی نسلوں تک بے کم و کاست پہنچانے کی سعی و جدوجہد ہمیں کرنی چاہیے کیونکہ آنے والی کل کا ہم ماضی ہیں۔ جس طرح آج ہم اپنے ماضی کا گلہ کر رہے ہیں اور اگلوں کا شکوہ' اسی طرح آنے والی نسلیں کل ہمارا گلہ شکوہ کریں گی اور ہمیں موردِ الزام ٹھہرائیں گی۔ یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کیوں کہ ہر فرد ایک قوم ہے' اور ہر اکائی ایک ملت' قوم و ملت کے مسئلے پریشان ہونے اور بے چین ہونے سے نہیں سلجھتے' عمل سعی و جدوجہد اور احساسِ ذمہ داری سے بنتے اور سنورتے ہیں۔

مجھے لگا جیسے میں سوتے سے جاگا ہوں جیسے اندھیرے سے روشنی میں آگیا ہوں' یہ میرا بیٹا نہیں ہمارا مستقبل ہمیں کہہ رہا تھا۔

مجھے میرے مستقبل نے خواب غفلت سے جھنجوڑ کر جگا دیا تھا میری نا اُمیدی نے مجھے بھٹکا دیا تھا۔ میں اپنے بیوی بچوں کی طرف تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا جن کے چہرے اُمید واعتماد سے دمک رہے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں ''مہدی ومہدویاں تا قام قیامت باشد'' میری تعلیم رائیگاں نہیں ہوئی تھی' بے شک جس دین کا حامی وناصر خدا ہو اس کے ماننے والوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اخلاص کے ساتھ قوم وملت کی اصلاح تعلیم تبلیغ وتربیت کا کام جاری رکھنا چاہیے یہی سب سے بڑی سچائی ہے۔ زمانے بدلتے رہینگے وقت گزرتا رہیگا تبدیلیاں آتی رہینگی اندھیرا روشنی پر غلبہ نہ پا سکے گا۔ بدلتے وقت زمانے اور تبدیلی کے ساتھ اپنی بات منوالینا ہی حق کی سچائی کی دلیل ہے۔ میں سوچنے لگا ہوں کہ ان اجنبیوں میں کوئی اپنا نہیں ہے تو کیا ہوا میں ان اپنوں میں اجنبی نہیں ہوں۔

برق وباراں سے کہو صیاد وگل چیں سے کہو　　　باغباں ہم ہیں چمن کے ہم کریں گے فیصلہ

(کسی بھی ردوبدل کے ساتھ جوں کا توں یہ افسانہ کاپی کیا ہے)